قیمت ۸ روپے

ملی ٹائمز انٹرنیشنل

نئی دہلی

ہندستان میں اسلامی اور غیر اسلامی ایجنڈے کی جنگ



AUSTRALIA	A$ 4.50	DENMARK	D.KR. 17.00	ITALY	LIT. 4000	NEW ZEALAND	NZ$ 5.00	SRILANKA	Rs. 50
BANGLADESH	Taka 25	FRANCE	Fr 13	JAPAN		NORWAY	N.Kr 15.00	SWEDEN	Kr 20
BELGIUM	Fr 90	FINLAND	F.MK 13.00	KOREA	W 2.200	PAKISTAN	Rs. 20	SWITZERLAND	Fr 4
BRUNEI	B$ 5.50	GERMANY	DM 4.50	MALAYSIA	RM 4.00	PHILIPPINES	P 30	THAILAND	B 50
CANADA	C$ 4.50	HONG KONG	HK$ 19.00	MALDIVES	Rf 15.00	SAUDI ARABIA	SR 4	U.K.	£ 2.00
CHINA	RMB 16.00	INDONESIA	RP 4.500 (INC PNN)	NETHERLANDS	G 4.30	SINGAPORE	S$ 3.50	U.S.A.	US $ 3.50

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی سیاسی ایجنڈے کو اس ملک میں آگے بڑھانے کے لئے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کا ایک کاروان
بہت جلد انقلابی اقدام کا آغاز کرنے والا ہے

ملک گیر مسلم سیاسی پارٹی

کے لئے ملک بھر میں باحوصلہ مسلمان بھائی بہنوں نے اپنا کاندھا فراہم کر دیا ہے۔ وہ اس مقدس مہم میں اپنا سب کچھ پیش کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اس سلسلے کے پہلے قافلے کی تربیت کے لئے ایک کل ہند ورکشاپ (تربیت گاہ) کا نظم کیا گیا ہے جو انشاء اللہ

اوائل ستمبر ۱۹۹۸ء نئی دہلی میں منعقد ہوگا

اپنی نوعیت کے اس پہلے ورکشاپ میں شرکت کے لئے ضروری ہے کہ خواہش مند بھائی بہن مسلم سیاسی پارٹی کے فارم کے ساتھ اپنی درخواستیں جلد ارسال کریں۔ نشستیں مخصوص ہیں اس لئے کسی وجہ سے اگر آپ کی درخواست منظور نہ ہو سکے تو بددل نہ ہوں، انشاء اللہ آئندہ ورکشاپ میں ہم آپ کو موقع ضرور دیں گے۔ البتہ جن لوگوں نے سیاسی پارٹی کا فارم پہلے سے پر کر کے بھیج دیا ہے انھیں دوبارہ فارم بھرنے کی ضرورت نہیں وہ صرف اپنی درخواست بھیج سکتے ہیں۔

طلبا و طالبات کے لئے چند نشستیں مخصوص ہیں۔ ان سے شرکت کی کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔

جلدی حرکت میں آئیے، ایسا نہ ہو آپ شرکت سے محروم رہ جائیں

Milli Parliament

Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Tel: +91-11-6827018, 6926296 Fax: +91-11-6946686
E-mail: militime@del3.vsnl. net. in

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی

اگست ۱۹۹۸ء
قیمت: آٹھ روپے
سالانہ زر تعاون: ۱۰۰ روپے
بیرون ممالک سے: ۲۵ امریکی ڈالر
سالانہ زر تعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال کریں
ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
Milli Times International New Delhi

اس شمارے میں

یکے از مطبوعات مسلم میڈیا ٹرسٹ
ایڈیٹر: محمد احمد سعید

ملی ٹائمز انٹرنیشنل
ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵
فون: ۶۸۲۷۰۱۸ ، ۶۹۲۴۲۴۶
فاکس: ۶۹۳۶۶۸۶ (۱۱۰)
E-mail: militime@del3.vsnl.net.in

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو لوگ دیوار سے لگ چکے ہوں یا جو ذلت اور بے بسی کی خوفناک کھائی میں جا پڑے ہوں انہیں نہ تو بلندی سے خوف آتا ہے اور نہ ہی پر اسرار تاریک گہرائی انہیں بدحواس کرتی ہے۔ خوف تو ان لوگوں کا حصہ ہے جو بلندی پر کھڑے بے بسوں کی آہ و بکا پر تالیاں بجاتے اور خوش ہوتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان بے بسی اور بے سروسامانی کی جس آخری انتہا پر موجود ہیں اور وہ اگر اس وقت اس نکتے پر ٹکے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اب انھیں مزید پیچھے ڈھکیلنا ممکن نہیں۔ یہی وہ لمحہ ہے جب دیوار سے لگے ہوئے لوگ باؤنس بیک کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی کو یہ خیال بھی آتا ہو کہ کسی انقلابی جدوجہد کا آغاز ہمارے مسائل میں مزید اضافہ کا سبب بن سکتا ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ اب ہمارے مسائل میں بھی دم خم نہیں کہ وہ مزید اپنے پیر پھیلائے۔

جو لوگ پر امن زندگی کے طالب ہیں انہیں جان لینا چاہئے کہ امن کا نعرہ ہمیشہ غاصب اور غالب قوموں کا نعرہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے قوت اور قیادت کی باگ ڈور چھین لی ہے وہ یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ موجودہ عالمی نظام کفر کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے ہم معاہدہ امن کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہمارے لئے امن کا کوئی معاہدہ دراصل اپنے پروانہ موت پر دستخط کے مترادف ہوگا۔

الحمد للہ کہ ملی ٹائمز سے ذہنی اور فکری انقلاب کی ایک لہر پیدا ہو گئی ہے۔ دردمند اور متفکر بھائی بہن جو اب تک ذہنی انتشار کا شکار تھے انہیں ایک راستہ دکھائی دینے لگا ہے۔ البتہ ہمارے بعض قارئین، مخلصین اور ایجنٹ حضرات اتنے زیادہ خائف ہیں کہ وہ اس مشن کو تعاون دینے میں تذبذب محسوس کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس خوف میں بھی مبتلا ہیں کہ پڑھنے اور سننے کی حد تک تو ٹھیک لیکن ایسا نہ ہو کہیں اس رسالے کے معروضات سے ان کے اہل خانہ متاثر ہو جائیں۔ ایک ایسے وقت میں جب ملی ٹائمز کے ذریعے اس ملک میں ہندوستانی مسلمانوں کو ایک راستہ دکھائی دینے لگا ہے، جب گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن آپ کے دروازے پر دستک دے رہی ہے تو آپ کھٹا کھٹ اپنے دروازے اور کھڑکیاں بند کئے لیتے ہیں مبادا روشنی کی کوئی کرن آپ کی ٹھہری ہوئی اور بے بس زندگی میں کوئی زندگی آمیز ہلچل پیدا کر دے۔ یاد رکھئے اس عمل سے آپ سورج کے طلوع کو تو نہیں روک سکتے البتہ خود اپنی محرومی کا سامان کر رہے ہیں۔

گوتم بدھ کے حوالے سے ایک سبق آموز حکایت سننے کو ملتی ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں ایک چھوٹی سی کٹیا میں ایک شخص اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ سات آٹھ سالہ لڑکا بڑھاپے کی اولاد، باپ کے لئے سب سے قیمتی سرمایہ تھا۔ بیٹے کے لئے باپ کی شفقت و محبت مثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ ناگہاں ایک دن گاؤں میں کچھ ڈاکو گھس آئے۔ انہوں نے پورے گاؤں کو تہہ و تیغ کر دیا، جاتے جاتے بوڑھے کی کٹیا کو بھی آگ لگا گئے۔ جب آہ و بکا کا زور تھما اور صبح نمودار ہوئی، بوڑھے کو بیٹے کا پتہ نہ لگا۔ فرط غم میں کسی مسخ شدہ جلی ہوئی لاش کو دیکھ کر اس نے گمان کیا کہ اب اس کا بیٹا اس دنیا میں نہیں رہا۔ عرصہ گذرا وہ تمام رات اپنی کٹیا میں بین کرتا اپنے رب کے حضور گریہ و زاری کا انبار لگا دیتا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس کے بیٹے کو ڈاکو اٹھا لے گئے تھے۔ ایک شب جب ہر طرف سراسیمگی کا عالم تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، رات کی تاریکی میں ڈاکوؤں کی نظر سے چھپتا چھپاتا بیٹا باپ کی کٹیا تک آ پہنچا۔ اندر سے آہ و بکا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کنڈی کھنکھٹائی، اندر سے آواز آئی کون؟ کہا، میں ہوں آپ کا چہیتا بیٹا۔ یہ سن کر گریہ و زاری میں تیزی آ گئی، بوڑھے کا غم تازہ ہو گیا وہ چیخ پڑا۔ کون اس سرد رات میں اس کے زخموں پر نمک چھڑکنا چاہتا ہے؟ بیٹا دروازہ کھٹکھٹاتا رہا لیکن بوڑھے کو یقین نہ آیا۔ بہت دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا، بالآخر تنگ آ کر بیٹا واپس ہو گیا۔ صبح جب بوڑھے نے دروازہ کھولا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ بدھ کہتے ہیں کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اپنی خود ساختہ سچائیوں کو حرز جاں بنا لیتے ہیں۔ ہم فریب کو سچ مان کر کچھ اس طرح جیتے ہیں کہ جب سچائی عین ہمارے دروازوں پر دستک دے رہی ہوتی ہے تو ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔

ملی ٹائمز مجسم سچ بن کر آپ کے دل و دماغ پر دستک دے رہا ہے۔ اگر آپ نے اس سچ کو قبول نہ کیا تو مجبوراً اسے لوٹ جانا پڑے گا، پھر صبح دیر سے دروازہ کھلا بھی تو اس سے آپ کی محرومی کا ازالہ تو نہیں ہو سکتا۔

(ادارہ)

اشارے کے منتظر ہیں

آج چار سال سے میں ملی ٹائمز کا قاری رہا ہوں اور اس مشن کا مقصد ہر ایک مسلمان کا مقصد ہے۔ اور میں اس مشن کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش میں لگا ہوں۔ آپ کی کتاب "غلبہ اسلام" اور "اسلامی انقلاب کا طریقہ کار" کا مطالعہ میں نے کیا ہے اسی مشن کے تحت ہم نوجوان لڑکوں نے مل کر ایک مجلس بنائی ہے۔ ہم لوگوں نے ایسا ماحول بنانے کی کوشش کی ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کو یہ سمجھ آجائے کہ کس طرح نظام کفر نے ہمیں اپنے ماحول میں ڈھال کر ہمیں اپنے مقصد اور اللہ کے دین سے دور کر دیا ہے اور ہمیں پوری طرح مٹا دینے کی کوشش میں لگا ہے۔

لیکن ہمیں اس بات کا دلی افسوس ہے کہ ہم اپنے مشن میں بہت دھیمے ہیں اور اسکی وجہ ہمارے بزرگ ہیں، یہاں تک کہ حوصلہ افزائی کرنے سے بھی گریز کرتے ہیں لیکن ہمارے حوصلے پہاڑ کی طرح بلند ہیں۔ ہمیں صرف آپکے اشارے کا انتظار ہے۔

آپ نے جو سیاسی پارٹی کا ذکر کیا ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ ممبر بنانے کی کوشش میں لگا ہوں۔ مجھے دیگر اشتہارات اور اس پارٹی سے متعلق دستوری کتابچوں کا انتظار رہے گا۔

شفق شرف الدین۔ ادیب اکبر

موقع عنایت کریں

محترم ایڈیٹر صاحب

آپ کا ملی ٹائمز آج کے ماحول کے لیے روح رواں سے کم نہیں، جتنی ستائش کی جائے کم ہے۔ مگر افسوس کہ اس ایٹمی دور میں جذبہ جہاد کو بھلا دینے کی وجہ سے مسلمان وہ تعاون نہیں دے پا رہے ہیں جو تعاون ملی پارلیامنٹ کو حاصل ہونا چاہئے تھا۔ برسوں کا بھلایا ہوا سبق ہے، یاد کرنا ذرا مشکل ہے۔

میں شہر یادگیر کا ۲۵ سالہ طالب علم ہوں۔ میرے ہم خیال نوجوان احباب نے مجھے ایک دینی ادارے بنام "ادارۃ الایمان آثار شریف یادگیر" کا صدر بھی منتخب کیا ہے۔ آپ کے تمام خیالات سے منصوبہ بندی سے بصد خلوص متفق ہوں۔ خدمت کے طور پر ملی ٹائمز کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

اسی کے تحت لب کشائی کی ہے اور قدم بڑھا رہا ہوں، موقع عنایت کریں تو میں خود کو خوش نصیب سمجھوں گا۔ میرے ربط کو استقامت عطا فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

ادریس احمد میسر

بیداری کی صبح قریب ہے

ملی ٹائمز کے تازہ شمارہ میں "بی جے پی حکومت میں مسلمانوں کے حوصلے پست ہو رہے ہیں" مضمون نظر سے گذرا۔ عنوان پسند نہ آیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ آر ایس ایس اور بی جے پی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت ہے نہ ان جیسی دوسری فرقہ پرست تنظیموں سے اور نہ کسی مسلم تنظیموں اور اداروں کی جانب سے یہ احساس دلانے اور باور کرانے کی ضرورت ہے کہ یہ فرقہ پرست تنظیمیں تمہاری دشمن ہیں جو تمہیں نگل جانا چاہتی ہیں۔ جہاں تک ملت اسلامیہ سے نفرت و دشمنی کا تعلق ہے تو دنیا کی کون سی ایسی قوم ہے جو اس سے اعلانیہ اور درپردہ دشمنی نہیں رکھتیں۔ ملت اسلامیہ ہند گذشتہ نصف صدی سے جن مظالم اور ناانصافیوں کا شکار رہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور پچھلی ایک دہائی سے خصوصا ملت کے خلاف جو نفسیاتی جنگ فرقہ پرستوں نے چھیڑ رکھی ہے اس کی غرض ہی یہی ہے کہ ملت کو نفسیاتی سطح پر مغلوب کر دیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان نفسیاتی غلامی کا شکار ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ یہ ملک کسی خاص قوم و جماعت کی ملکیت ہے تو اسے اس باطل خیالات کو اپنے دماغ سے کھرچ کر پھینک دینا چاہئے اور توبہ استغفار کرنا چاہیے۔ ہماری نگاہ تو اس بات پر مرکوز ہونی چاہئے کہ اس ملک میں اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ہم کیسی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے کیسی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے ایمان و یقین، حسن تدبیر، اعمال صالحہ اور مومنانہ کردار کا یہ ملک صدیوں سے راہ تک رہا ہے۔ ان بنیادی اوصاف کو پیدا کرنے میں ہم جتنے تیزرو ہوں گے، ہماری منزل اتنی ہی قریب ہوتی جائے گی لیکن ہماری سرگرمیاں اصل محور سے ہٹ گئیں تو نہ صرف راہ کی دشواریاں بڑھ جائیں گی بلکہ منزل ہم سے دور بہت دور چلی جائے گی۔ میں نہیں سمجھتا کہ تحریک کے اکابرین اس اہم تقاضے سے غافل ہوں گے چوں کہ ہمیں اس عظیم مقصد کی راہ میں جہاں خارجی سطح پر رکاوٹوں کا سامنا ہے اس سے کہیں زیادہ داخلی سطح پر دشواریاں حائل ہیں اور کسی مقصد کی حصول کے لیے داخلی سطح پر جس مضبوطی اور ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے وہ کسی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں کیونکہ ہم اللہ اور اس کے دین کے معاملے میں جس غفلت و بے دینی کی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں سب سے پہلے اس مجرمی کی سطح سے ہمیں نکلنا ہوگا۔ اس اہم کام کے لیے ہم جیسی تدبیر اختیار کریں گے اور جس قدر بیداری کا ثبوت دیں گے وہ ہمارے تمام منصوبوں پر اثر انداز ہوں گے اور اگر اپنی موجودہ مجرمانہ روش کو ہم مسلمان تبدیل کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور زندہ ضمیری کا ثبوت نہ دیا تو وہ تمام تدبیریں جو تحفظ و سلامتی اور تعمیر و ترقی کے لیے اختیار کی جارہی ہیں خواہ وہ معاشی و اقتصادی سطح پر کی جارہی ہوں یا سماجی و سیاسی سطح پر ہماری کوششیں بار آور نہ ہو سکیں گی بلکہ آج ملت اسلامیہ ہند جن حالات و مسائل میں گھری ہوئی ہے اس کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ اگر ہم حالات کا پوری دیانت داری سے جائزہ لیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مرحلہ وار ہم ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے اور ایک حالات سے دوسرے حالات کی طرف دھکیلے جارہے ہیں کیونکہ ہمیں دینی و مقصدی حیثیت سے جس کام کو مقدم رکھنا چاہئے تھا اسے مؤخر کرتے رہے ہیں اور جنہیں مؤخر کرنا چاہئے تھا اسے مقدم کیے ہوئے ہیں۔

آج ملت اسلامیہ تاریخ کے جس نازک ترین دور سے گذر رہی ہے ہر ذی شعور مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ ملت کے قیمتی اوقات، وسائل اور صلاحیتوں کو ضائع ہونے سے بچائے، اسے اللہ کی امانت جانتے ہوئے ایسے مقاصد میں صرف کرے جو حقیقی معنوں میں اللہ کو مطلوب ہے۔ آج دنیا کی دیگر قومیں اپنے تحفظ و سلامتی کے لیے سابقہ اصولوں اور رویوں کا از سر نو جائزہ لے رہی ہے اور پائیدار حکمت عمل تلاش کر رہی ہے اور ہر وہ تدبیر کر رہی ہے جو انکے وجود کو بقاء اور مستقبل کے تحفظ کو یقینی بنا سکے۔ کیا ہمارے لئے

ضروری نہیں کہ جسکے کاندھے پر پوری نوع انساں کی رہنمائی کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں اپنے افکار و روش کا ہر نفس احتساب کرے اور اللہ کے دین کی سربلندی کیلیے ہر قسم کے اغراض و مفادات سے بلند ہو کر اپنی تمام تر خواہشات کو اللہ کی مرضیات پر قربان کردے۔ اگر تمام مسلمان امت کے مفادات کیلیے اپنے تمام تر مفادات سے دست بردار ہو جائیں تو زبردست نتائج ہمیں دیکھنے کو مل سکتے ہیں۔

"اے خاصہ خاصان رسل" پڑھ کر آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ملک کے سیاہ و سفید پر خود ہمارا نہ صرف عمل دخل ہونا چاہئے بلکہ ہمیں اس کا مالک و وارث ہونا چاہئے تھا۔ لیکن دین و مقصد و دوری نے ہمیں اتنا کور ذوق اور تعیش پسند بنا دیا کہ حکمرانی و جہاں بانی کا تصور بھی ذہن سے محو ہو گیا۔ ہم سب بھول گئے کہ یہ دین تمام ادیان و مذاہب پر غالب ہونے کے لیے آیا تھا اور اس امت کو اسی مقصد کے لیے برپا کیا گیا تھا۔ لیکن سوئے قسمت کہ چند مخصوص عبادات و رسوم کی ادائیگی ہی پورا دین اور دین کا مقصود و مطلوب بن گیا اور ستم بالائے ستم کہ اس غلامانہ تصور دین کو پوری امت کے اذہان و افکار پر تھوپنے کے لیے ہر سطح پر کوششیں ہو رہی ہیں۔ وقت کے بڑے بڑے دانشور اور مایہ ناز علماء اپنے فکر و قلم کے جوہر دکھا رہے ہیں اور یہ باور کرانے کی جان توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ یہی وقت کا تقاضا ہے، اس کیلیے ماضی اور حال کے اکابرین امت کی تحریروں سے اپنے موقف کی تائید میں دلائل مہیا کئے جا رہے ہیں تاکہ یہ امت بیداری کی کروٹ نہ لے سکے۔ غافل قوموں میں انقلاب و بیدار کی ہر آواز کو دبانا قدیم زمانے سے لوگوں کا شعار رہا ہے لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بیداری کی صبح نمودار ہو کر رہتی ہے اور اس قوم کے تاریک افق پر کوئی نہ کوئی انقلابی ہستی بدر کامل بن کر چمک اٹھتی ہے۔

شان خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں
کرتی ہے کوئی قوم جب اپنا شعار آزری

سجاد احمد۔ بلاسپور

مسلم قیادت

گذشتہ سالوں میں مسلمان سیاسی لیڈروں کی دم ہلانے والی سیاسی فکر نے پوری مسلم برادری کو سخت مایوس کر دیا ہے۔ ذاتی طور پر میں بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجب قسم کی خلش تھی جو کسی طرح سکون ہی نہیں لینے دیتی تھی۔ طرح طرح کے خیالات ذہن میں آتے تھے، یہی کہ کچھ تو ایسا ہے کہ مسلمانوں کا اپنا تشخص، اپنا معیار اور وقار قائم ہو سکے لیکن مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آج "ملی ٹائمز" پڑھنے کا اتفاق ہوا تو یکایک آنکھیں کھل گئیں اور اپنی کم مائیگی کا بھی احساس ہوا کہ میں اب تک اس تحریک سے ناآشنا تھا جو نہ جانے کب سے مسلمانوں کو اس کے اپنے تشخص کا احساس دلانے کے لیے عملی طور پر خلوص نیتی سے کوشش کر رہا ہے، لیکن ایک بات خوش آئند معلوم ہوئی، وہ یہ کہ جب میں "ملی ٹائمز" سے واقف ہوئے بغیر اس قسم کی خلش اپنے اندر محسوس کر رہا تھا تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میری طرح سیکڑوں ہزاروں لوگ اس قسم کے جذبات سے سرشار ہوں؟ ضرور ایسا ہی ہوگا اور مجھے امید ہے کہ جیسے ہی ان لوگوں تک آپ کا پیغام پہونچے گا وہ لبیک کہنے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں کریں گے۔ ویسے اگر اس تحریک سے متعلق کچھ لٹریچر ہو تو براہ کرم میری رہنمائی فرمائیں کیونکہ دوسروں تک یہ پیغام پہونچانے کے لیے مکمل خود آگاہی بہت ضروری ہے۔

علی میاں صاحب سے متعلق مضمون جو ان کے مضمون یا تقریر کا تجزیہ ہے پڑھ کر بڑا افسوس ہوا۔ جمہوریت سیکولرزم اور اہنسا جیسے اصولوں میں مسلمانوں کے تابناک مستقبل کو مضمر دیکھنا انتہائی دل آزار بات ہے۔ نہ اس ملک میں سیکولرزم ہے اور نہ کوئی مسلمانوں کا بہی خواہ ہے۔ نام نہاد مسلم لیڈروں کے نام پر یہاں کی مسلم آبادی الکشن میں جو پریشانیاں اٹھاتی ہے وہ سراسر حماقت اور بیوقوفی ہے۔ یہ نام سے مسلمان لگنے والے لیڈر کاسہ سیاست کی چچوڑی ہوئی ہڈیوں پر پلنے والے سگ زمانہ ہیں جو لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی لاش پر بیٹھ کر بھی شادیانے بجاتا ہے۔ ان بے غیرتوں سے زیادہ بہتر تو وہ کافر و مشرک ہیں جو اپنی قوم اپنے مذہب کے نام پر قربان ہونے کیلیے میدانوں میں نکل پڑتے ہیں۔ ممبئی میں فساد ہوا تو سنیل دت نے یہ کہہ کر ممبر پارلیامانی سے استعفی دیدیا کہ "جب میں یہاں کی عوام کے تحفظ کا ضامن نہیں بن سکتا تو مجھے ان کا لیڈر بنے رہنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔" لیکن آج تک کسی مسلمان لیڈر نے بھاگلپور، میرٹھ، بمبئی فساد کے نام پر استعفی نہیں دیا، حتی کہ بابری مسجد کی شہادت پر بھی رال ٹپکاتے کرسیوں کے حریصوں نے احتجاج میں استعفی نہیں دیا۔ پھر ہم اور آپ اپنی ماں بہن اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ چلچلاتی دھوپ اور کڑکڑاتی سردیوں میں لمبی لمبی قطاریں لگائے انہیں کامیاب بنانے کے لیے کیوں کھڑے رہتے ہیں۔ دوستو! یہ وقت سچ مچ غور کرنے کا ہے کہ جن نام نہاد مسلمان سیاسی لیڈروں کے لیے ہم اتنا کچھ کرتے ہیں کیا وہ مسلمان کہلانے کے لائق بھی ہیں۔ ہماری حالت تو اس احمق کی طرح ہے جو اپنے ہاتھوں سے تلوار پر شاندار دھار چڑھا کر اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچئے کہ جتنا نقصان ہمیں دوسروں سے نہیں پہنچا اس سے کہیں زیادہ نقصان ہمیں انہیں نام نہاد مسلمان لیڈروں پر بھروسہ کرنے سے پہنچا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح حماس والوں کو جتنا نقصان اسرائیلیوں سے نہیں پہنچا اس سے کہیں زیادہ نقصان یاسر عرفات سے پہنچا۔

ہمیں اور آپ کو خواہ مخواہ کی حکمت اور مصلحت جو اکثر ہمارے نام نہاد کاسہ سیاست کے پلے علماء ہم پر لاد دیتے ہیں اس سے نکلنا ہوگا۔ اس سے آزاد ہو کر اپنے تئیں اسلام اور اسلامی اصول و عوامل پر دل و جان سے عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

ایک مخلص مسلمان

عقوبت گاہ سے ایک خط

مکرمی۔ آزادی کی گولڈن جوبلی بخوشی منا لینے کے بعد بھارت ۵۱ ویں سال میں داخل ہو چکا ہے۔ آدھی صدی کے خاتمہ پر اس تقریب کے انعقاد کا واحد مقصد یہی تھا کہ مجموعی طور پر شخصی، سماجی اور قومی سطح پر انسانی زندگی میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں؟ ان کا جائزہ لیا جا سکے۔

یقینا بھارت کا دستور اس بات کی گارنٹی دیتا ہے کہ "ملک کا اپنا کوئی مذہب نہیں

ہوگا؟ پر ان بیتے پچاس سالوں کا ایک ایک لمحہ دستور کی اس دفعہ کو منہ چڑھاتا نظر آتا ہے۔ عملی طور پر حکومت اور حکومت کی مشیری ایک خاص مذہب اور اس کے پیروکاروں کو ترقی اور کامیابی کے راستے دکھارہی ہے۔ اسلام اور مسلمان دونوں ہی یہاں کے لیے حملہ ور ہیں، غدار ہیں۔ یہ بات آج سے نہیں پورے پچاس سالوں سے پروپیگنڈہ کی جارہی ہے۔

ولبھ بھائی پٹیل سے لے کر موجودہ حکومت کے نمائندے سب اس بات کے حامل ایسے ہیں کہ بھارت ایک ہندو ریاست بنے؟ ہندو ریاست کا خواب جو آزادی سے قبل ہی دیکھا جا چکا تھا اب پورے طور پر نمایاں ہو چکا ہے۔ گولور کر اور اس کے خوابوں کی تعبیر سنگھ پریوار کے بلند حوصلے وسائل اور اقتدار کے زعم سے لبریز ہوکر میدان میں ہے۔ پورے ملک کو "کیسریا" رنگنے کی دھن لیے کیسریا تحریک کے سائے تلے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا دونوں بہ نفس نفیس اہم کردار نبھارہے ہیں۔

آج سب سے بڑا چیلنج "اسلام" اور "مسلمانوں" کے لیے ان کے اپنے ملی تشخص کو بچانے کا ہے؟ گھروں میں ۲۴ گھنٹوں آنے والی شنکھ اور گھنٹوں کی آوازیں، سیتا۔ رام، رادھا کرشن، شنکر ہنومان اور نہ جانے کتنے دیومالائی کردار طرح طرح کے بے سرپیر کے طلسماتی کرشمے لئے ہر ۵ منٹ بعد دوردرشن پر نظر آجاتے ہیں۔ یقیناً دور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا ہے اور انسانی انگلیاں اور دماغ ان دونوں چیزوں کا استعمال کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ہو رہا ہے لیکن ان ہی خاص لوگوں کے واسطے جو ہندو ہیں۔ امت کا نوجوان تو ابھی صرف کام چلانے کے لیے دستخط کرنا سیکھ رہا ہے۔ تاریکی ماحول پر اپنا راج قائم کیے ہوئے ہے لیکن صبح کا آنا یقینی ہے۔ میری کلمہ گو بھائیوں سے اتنی ہی التجا ہے کہ گھروں میں گھس آئے شیطان سے اپنے کو اور ماحول کو پاک کرے اور قرآن کو اپنے سینے سے لگاکر عملی زندگی میں اتریں۔ امت کے لیے یہی وہ اساس ہے جو کامیاب بنا سکتی ہے۔

محمد عارف۔ جے پور

ہم حاضر ہیں

محترم جناب ڈاکٹر صاحب

آپ کا رسالہ "ملی ٹائمز" تقریباً شروع سے ہی زیر مطالعہ رہا ہے مگر خط لکھنے کا اتفاق پہلی بار ہو رہا ہے۔ یہ رسالہ مسلسل عوام میں مقبول ہوتا جارہا ہے۔ آج کے فتنے اور فساد کے دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جس طرح سے اپنے مختلف مسائل اور عقیدے کو لے کر انتشار کا شکار ہے ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے منتشر امت کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا جو آپ نے بیڑا اٹھا رکھا ہے وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔ خاص طور سے نئی مسلم نسل کے لیے بہت ہی انمول تحفہ ہے۔ یہاں سعودی عرب میں بھی ہندوستانی تارکین وطن میں بھی یہ رسالہ مسلسل مقبول ہوتا جارہا ہے۔ ہم لوگ تہہ دل سے آپ کے شکر گزار ہیں اور بارگاہ الٰہی میں دعاگو ہیں کہ وہ آپ کو ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے۔ ہم سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ وہ آپ کو ضرور کامیاب کرے گا۔ ہم لوگوں سے جو بھی خدمت درکار ہوگی ہر وقت انشاء اللہ ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔

محمد ہارون خان۔ الجبیل سعودی عرب

ہمیں منظم کیجئے

جناب قائد ملی صاحب

میں امجد حسین آپ کے خیالات سے پوری طرح متفق ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے لئے کچھ کام کروں۔ ویسے تو میں بہت مصروف رہتا ہوں لیکن اپنے ملک اور قوم کے لیے اپنی زندگی بھی قربان کردوں تو شاید کم ہوگا۔

میں اگلے سال پڑھائی کی خاطر امریکہ جانے والا ہوں لیکن اس کے باوجود میں اس ادارے سے منسلک رہنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ میرے کچھ دوست بھی ہیں جو بالکل میری فطرت کے مطابق ہیں۔ وہ بھی اس کے لئے کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ مالی لحاظ سے مستحکم ہیں، اگر آپ کے پاس کارکنوں سے کام لینے کا کوئی ضابطہ ہو تو ضرور ارسال کریں۔

امجد حسین۔ مغربی بنگال

تنقید سے پرہیز کیجئے

محترمی۔ سلام خلوص پیش خدمت ہے۔ بعدہ خدمت عالیہ میں پیش ہے کہ یہ ناکارہ آپ کے رسالے کو اپنی خالص دینی کورس کی کتابوں پر ترجیح دیتا ہے اور وقت نکال کر مطالعہ ضرور کرتا ہے۔ حضرت آپ نے جو ایک ملک گیر مسلم سیاسی پارٹی کی تشکیل کی ہے اس سے ہم تمام رفقاء کافی حد تک متفق ہیں۔ ہم اس طرح خوش ہیں گویا کہ آپ لوگوں نے ایسے وقت میں امید کی شمع روشن کی ہے جب کہ سارا کا سارا ملک ایک ساتھ نئی قیادت اور تحریک اور نئے نظام کا بے چینی سے منتظر تھا۔ ایک ایسی تحریک اور خیالات جو اس ملک کے عوام کے زخموں پر مرہم کا کام کر سکے جو سراپا ہمدرد اور غمگسار ہو اور جو جھوٹی عزت اور سستی شہرت اور منفقانہ جذبات سے پاک و مبرا ہو، جس تحریک کا ایک ایک فرد تشدد، انارکی اور انتشار، بدامنی و بدعنوانی سے نفرت کرتا ہو، ایسے افراد خواہ تعداد میں مٹھی بھر ہی کیوں نہ ہوں مگر ایک ایسا دیرپا اور خوشگوار انقلاب لاسکتے ہیں جس کے سائے میں انسانیت کا تھکا ماندہ، مضمحل اور مضطرب اور پریشان و ہراساں قافلہ اطمینان و سکون کی سانس لے سکتا ہے۔

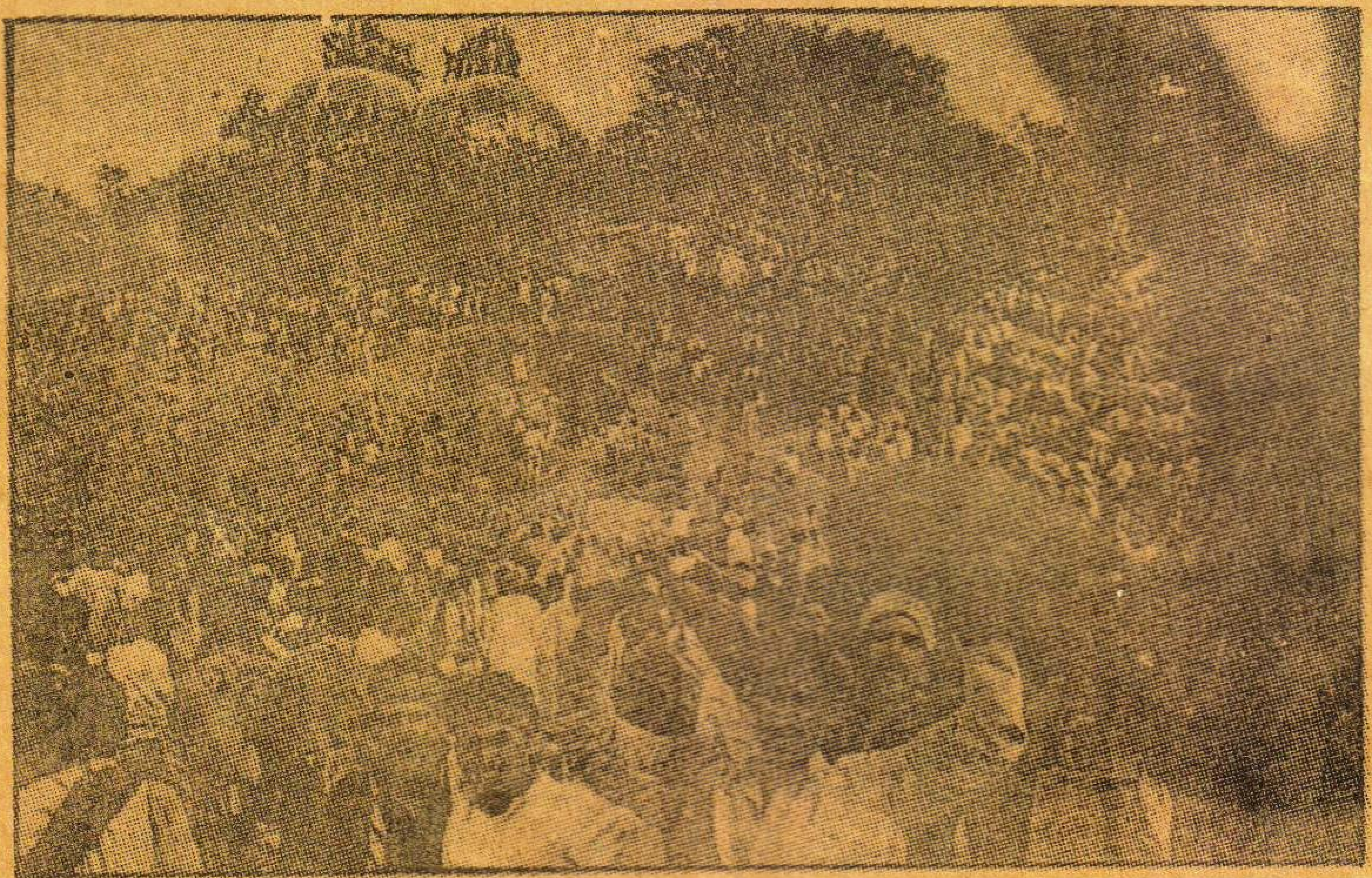
مکرمی۔ پیش خدمت ایک مشورہ ہے شاید قدر قبول ہو۔ آپ کے شمارے کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر لانے اور اس کی صحیح قیادت کرنے اور ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی جو کوشش کی جارہی ہے وہ نہایت ہی قابل تعریف ستائش اور قابل قدر ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی نظر آتا ہے کہ بزرگان دین، فقہائے امت اور باوقار علماء کرام کی تنقیدی پہلو سے ان کے مضامین و مواعظ پر تبصرہ اور جائزہ لیا جارہا ہے جس کی وجہ سے امت کی اکثریت آپ سے اور آپ کی تحریک سے بدظن ہو سکتی ہے، ڈر ہے کہ ملت کا باقی ماندہ اتحاد ختم ہوجائے اور اپنی تحریک کا مقصد شرمندہ تعبیر نہ ہوسکے۔ اس لئے ایک "ملی ٹائمز" کے قاری پر یہ لازم ہے کہ حالات سے باخبر کرے اور تقاضہ وقت کے مطابق کچھ چھوٹے موٹے مشورہ دیا کرے۔

محمد فاروق خاں غوری۔ بہرائچ

ملائم، مسجد اور مسلمان

قصہ بابری مسجد کی بازیابی کا اور سانحہ غیر مسلم امامت کا

گذشتہ دنوں شہید بابری مسجد کے ملبے پر ایک عظیم الشان رام مندر کی تعمیر کی باتیں اخبارات کی زینت بنتی رہیں۔ اس طرح کی خبروں سے اگر ایک طرف ہندو احیاء پرستوں کے حوصلے بلند ہوتے رہے تو دوسری طرف اس ملک کے پچیس کروڑ مسلمانوں پر یہ خبر بجلی بن کر گرتی رہی۔ مسلمان جو پہلے ہی سے انہدام بابری مسجد کے بعد انتہائی بے بسی اور محرومی کی زندگی گزار رہے ہیں، ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ رام مندر کی تعمیر کے مسئلے پر وہ کریں تو کیا کریں؟ ملی اور دینی قیادت نے مکمل خاموشی اختیار کی۔ اگر کوئی آواز اٹھی تو انہی لوگوں کی طرف سے جن کو مسلمان بوجوہ بابری مسجد کے انہدام کے ذمہ دار گردانتے ہیں۔ یعنی وہ مسلم سیاستداں جن کا اعتبار مسجد کے انہدام نے ختم کر دیا تھا، اب وہی لوگ دوبارہ مسجد کی بازیابی کے حوالے سے میدان میں آئے تھے۔ بابری مسجد کمیٹی کے ان ذمہ داروں نے ایودھیا کی طرف کوچ کا اعلان کیا۔ حکومت نے ان کے جانے پر روک لگادی، دو چار دن یہ حضرات اخبارات کی سرخیوں میں نظر آئے اور پھر معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ بابری مسجد کا قضیہ وہیں رہا، رام مندر کی تیاری بھی جاری رہی۔ حالات جس رخ پر چل رہے تھے اسی رخ پر گامزن رہے۔



اسی اثناء اتر پردیش میں بابری مسجد کی حمایت میں ایک زوردار آواز اٹھی۔ ملائم سنگھ کی قیادت میں بابری مسجد کی بازیابی کا نعرہ بلند ہوا اور بے شعور مسلمانوں کو ایک بار پھر یہ محسوس ہوا گویا کوئی نہ کوئی تو ہے جو اس ملک میں ان کی مسیحائی کے لئے مستعد اور خبر گیری کے لئے ہر مشکل لمحے میں حاضر ہے۔ بھلا بتائیے تو سہی جب ملک بھر میں رام مندر کی تعمیر پر روک لگانے میں مسلمان اپنے آپ کو بے یار و مددگار سمجھتے ہوں اور جب کسی طرف سے کوئی امید نظر نہ آتی ہو اس وقت ملائم سنگھ کی ذات میں مردہ دلوں میں زندگی کی نئی جوت جگانے کی کوشش کی۔ پھر بھلا ایسے مسیحا اور ایسے مسلم دوست رہنما کے لئے مسلمان اپنا سب کچھ نچھاور کیوں نہ کردیں؟ یہی وہ انداز فکر ہے جو عام طور پر بے شعور مسلمانوں میں تیزی سے سرایت کرتا جارہا ہے۔ خطرہ ہے اگر اس رویے کا فوری نوٹس نہ لیا گیا اور اس امت کو کافر و مشرک سیاست دانوں کی حفاظت میں دے دیا گیا تو جو کچھ بھی شرار ایمانی اس وقت مسلمانوں میں باقی ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ پھر ملائم جیسے لوگ اس امت کی قیادت و سیاست پر پوری طرح فائض ہوگئے تو ان کے لئے زیادہ مشکل نہ ہوگا کہ وہ اس امت کی قوت کو نظام کفر کے استحکام کے لئے استعمال کریں۔ یعنی دنیا میں بھی مسلمانوں پر ذلت کا موجودہ عذاب جاری رہے اور آخرت میں بھی ایک دردناک عذاب ان کا انتظار کرے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ بابری مسجد کے حوالے سے مسلمانوں کی موجودہ سیاسی بے راہ روی کا جائزہ لیا جائے پھر اس بات کے تعین کی کوشش بھی ہو کہ شریعت ہمیں کسی ایسی صورت حال میں کس طرح کے اقدام کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ہمارے لیے یہ بات انتہائی تشویش ناک ہے کہ کسی خالص دینی و ملی مسئلے پر رہنمائی کے لئے مسلمان کفار و مشرکین کی طرف دیکھیں۔ کافر و مشرک سیاسی رہنماؤں سے اسلامی اقدام کی توقع رکھیں اور اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کی جنگ کافر و مشرک سیاسی قیادت کی نگرانی میں انجام دیں۔ پھر یہ بات بھی کم تشویشناک نہیں کہ کسی ملی مسئلے پر امت کی معتبر قیادت اور معتبر مسلم

بھلا جب جبہ و دستار والے لوگوں نے اپنی دنیوی نجات کے لئے کفار و مشرکین کی خوشامد اور اتباع اختیار کررکھی ہو تو عام مسلمانوں کو یہ سب کچھ ایک غیر اسلامی اور ذلت آمیز عمل کیوں کر دکھائی دے گا

ادارے مکمل خاموشی اختیار کرلیں اور اس طرح ان لوگوں کیلئے میدان ہموار ہوجائے جو سادہ لوح مسلمانوں کے جذباتی استحصال سے اپنی قیادت اور رہنمائی کی دکان چمکانا چاہتے ہوں۔

مسلمانوں کو سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ان کے لئے اگر کوئی مخلص ہوسکتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ذات گرامی ہے اور پھر وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے سچی محبت رکھتے ہوں۔ اس ملک میں ان کے مفاد کی حفاظت وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کا خود اپنا مفاد اس عمل میں وابستہ ہو۔ رہے وہ سیاسی بازیگر اور مشرک سیاسی رہنما جن کی سیاست کی رعنائی اسی دم سے قائم ہے کہ اس ملک میں اسلام اور مسلمان کمزور ہیں اور مدد کے لئے ان کی طرف دیکھنے کے لئے مجبور ہیں، تو بھلا یہ لوگ کوئی ایسا قدم کیوں اٹھائیں گے کہ مسلمانوں کی موجودہ بے بسی کا ازالہ ہوجائے۔ ذرا غور کیجئے اگر مسلمان اس ملک میں منظم ہوگئے، ان کے اندر ایک باشعور قیادت وجود میں آگئی اور ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ شریعت کی رو سے غیر مسلموں کو امت کے امور سونپنا قطعی حرام ہے تو بھلا ملائم سنگھ یادو کس کے ووٹ کی بدولت وزارت کے منصب تک پہنچ پائیں گے۔ ان حضرات کی سیاست تو اسی وقت چل رہی ہے جب تک مسلمان اپنے انقلابی ایجنڈے سے محروم ہیں اور جب تک ان کے اندر یہ عام شعور پیدا نہیں ہوتا کہ شریعت کی رو سے ان کے لئے رسول اللہ کے سیاسی ایجنڈہ کو چھوڑ کر کسی اور کا سیاسی ایجنڈہ اختیار کرنا حرام ہے، کھلی گمراہی ہے۔

اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کے اندر دین اور شریعت کے حوالے سے بڑی بڑی شخصیات پائی جاتی ہوں وہاں مسلمانوں کی سیاسی قیادت پر کافر و مشرک سیاست دانوں نے قبضہ کررکھا ہو اور صورت حال اتنی خراب ہوگئی ہو کہ نازک اوقات میں اہل ایمان کی نگاہیں آسمانوں کی طرف اٹھنے کے بجائے کافر و مشرک سیاسی قائدین کی طرف اٹھتی ہوں۔ آخر کیا بات ہے کہ پچیس کروڑ مسلمانوں میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو مسلمانوں کو قیادت فراہم کرنے کے لئے میدان میں آتا؟ آخر کیا وجہ ہے کہ بھاری بھر کم مذہبی شخصیات اور جبہ و دستار والے علماء کرام کی موجودگی کے باوجود مسلمان ملائم سنگھ اور لالو یادو کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ عام لوگ ہوں یا مذہبی شخصیات، علماء کرام ہوں یا سیاسی مسلمان، یہ سب کے سب دین کے اصل شعور سے خالی انتہائی بے شعوری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ چوں کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی موثر قیادت حالات پر بند ہ باندھنے کے لئے آگے نہیں بڑھتی، اس لئے عام مسلمان ملائم اور لالو جیسے لوگوں کے دامن میں پناہ ڈھونڈنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ ملی اور دینی حلقے سے کوئی ایسی آواز نہیں اٹھتی جو اس تکلیف دہ صورت حال کو چیلنج کرسکے بلکہ صورت حال اتنی خراب ہے کہ خود علماء کرام کے حلقے سے کافر قیادت کی تائید کے فتوے جاری ہوتے رہتے ہیں۔ بھلا جب جبہ و دستار والے لوگوں نے اپنی دنیوی نجات کے لئے کفار و مشرکین کی خوشامد اور اتباع اختیار کررکھی ہو تو عام مسلمانوں کو یہ سب کچھ ایک غیر اسلامی اور ذلت آمیز عمل کیوں کر دکھائی دے گا۔ پھر چوں کہ بابری مسجد کے مسئلے پر ہماری ملی قیادت کوئی واضح لائحہ عمل اختیار کرنے میں ناکام رہی ہے اس لئے عام مسلمان سمجھتے ہیں کہ اب علماء اور دینی شخصیات کی قیادت میں کچھ ہونے سے رہا، پھر کیوں نہ اگر بابری مسجد کی بازیابی کے لئے ملائم سنگھ کی قیادت میں کوئی جتھ تشکیل پا رہا ہو تو ہم اس میں شامل ہوجائیں۔ گویا اب اس وقت اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی سب سے بڑی لڑائی اگر کوئی لڑ رہا ہے تو وہ ملائم سنگھ ہیں جنہیں رفتہ رفتہ ہندوستانی مسلمانوں کے قائد اعظم کی حیثیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔

اہل شریعت نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے فورم سے بابری مسجد کے سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ خود اپنے اندر ثنویت (Duality) لئے ہوئے ہے۔ ایک طرف تو اہل شریعت کا کہنا ہے کہ مسجد کے سلسلہ میں شریعت کا موقف یہ ہے کہ بابری مسجد کی موجودہ جگہ مسجد ہے اور قیامت تک اسے مسجد کی حیثیت حاصل رہے گی۔ ہم اس خطہ زمین سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن یہی حضرات یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ اس بارے میں کورٹ سے جو بھی فیصلہ ہوگا وہ ہمارے لئے قابل قبول ہوگا۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بارے میں اگر شریعت کا یہی موقف ہے تو پھر کورٹ کے فیصلے کا آپ کو انتظار کیوں ہے؟ اور یہ کہ اگر کورٹ کا فیصلہ آپ کے شرعی موقف کو ناقابل اعتبار قرار دیتا ہے تو آپ کے لئے کوئی ایسا فیصلہ کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے۔ یعنی اہل شریعت کا ذہن ابھی اس بارے میں صاف نہیں ہے کہ ان کے لئے کون سی چیز زیادہ اہم ہے۔ شرعی موقف یا کسی کافر عدالت کا فیصلہ! ہماری سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی کہ جو لوگ اس ملک

اگر مسلمان اس ملک میں منظم ہوگئے، ان کے اندر ایک باشعور قیادت وجود میں آگئی اور ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ شریعت کی رو سے غیر مسلموں کو امت کے امور سونپنا قطعی حرام ہے تو بھلا ملائم سنگھ یادو کس کے ووٹ کی بدولت وزارت کے منصب تک پہنچ پائیں گے

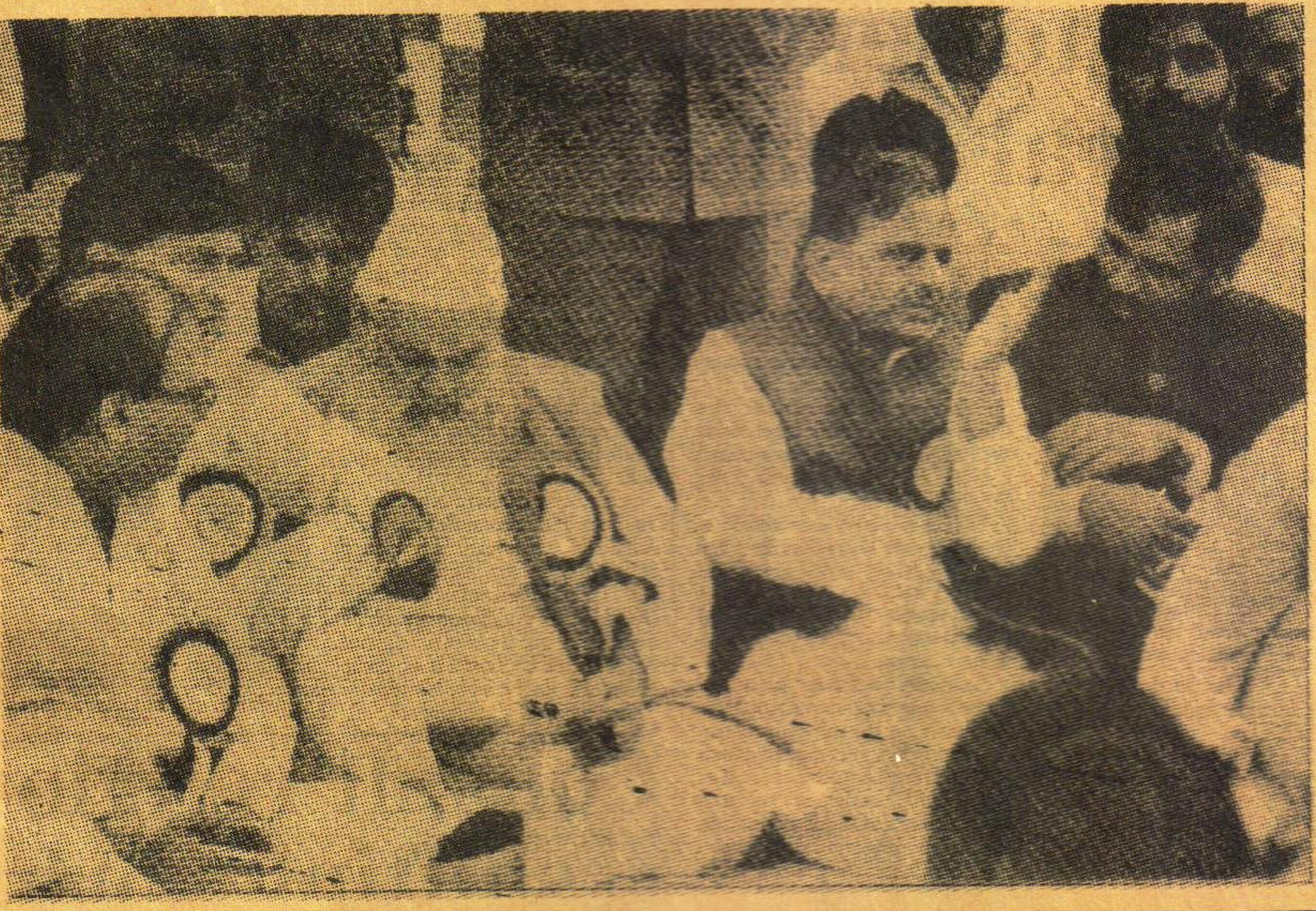
میں شرعی عدالتوں کے قیام کی تحریک چلاتے ہیں وہ اہم ملی امور پر انہی شرعی عدالتوں سے فیصلہ کیوں نہیں لیتے؟ وہ انصاف کی طلب میں شرعی عدالتوں کے بجائے سپریم کورٹ کی طرف کیوں دیکھتے ہیں؟ جب اہل شریعت خود نزاعی معاملات کو سلجھانے کے لئے شرعی عدالتوں کا رخ نہیں کرتے تو عام مسلمانوں سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے امور فیصل کرانے کے لئے شرعی عدالتوں سے رجوع کریں گے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بابری مسجد کا مسئلہ جس نے اس امت کو گذشتہ چودہ برسوں سے سخت آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے اس مسئلے پر مسلمانوں کے درمیان کوئی متفقہ لائحہ عمل طے کیوں نہیں پایا؟ آخر کیا بات ہے کہ مسلمان ایک نازک ملی مسئلے کو کافر عدالت کے ہاتھوں سونپ کر مطمئن ہیں؟ اگر اس بارے میں کوئی اسلامی حکم موجود ہے تو پھر وہ عدالت سے کس بات کا تصفیہ کرانا چاہتے ہیں؟

اس وقت جو لوگ مسلمانوں میں بابری مسجد کے حوالہ سے سرگرمی دکھا رہے ہیں یہ سب کے سب کم و بیش وہی لوگ ہیں جن کی وابستگیاں غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ہیں۔ یہ حضرات بابری مسجد کی تعمیر نو کا نعرہ بھی اسی وقت لگاتے ہیں جب سیاسی آقاؤں کی طرف سے انہیں ایسا کرنے کا حکم ملتا ہے۔ بابری مسجد کی تحریک میں ہندوستانی مسلمانوں کی سخت ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی رہا ہے کہ اس تحریک کی قیادت شروع سے ان ہاتھوں میں رہی ہے جن کا سرے سے مسجد سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان حضرات کی ذاتی دینی زندگی انتہائی تباہ تھی، یہ چھوٹے چھوٹے فائدے کے لئے بکنے کے لئے ہر وقت تیار تھے۔ کوئی ایسی قیادت نہ تو کسی فیصلہ کن مرحلے تک پہنچا سکتی تھی اور نہ ہی کسی ایسی پھس پھسی قیادت کو آسمانی مدد ملنے کا کوئی امکان تھا۔ ہزیمت تو اس کے مقدر میں شروع سے لکھی تھی۔ ان حضرات نے پوری امت کو ایک ایسی شکست سے دوچار کر دیا جس سے وہ اب تک پوری طرح باہر نہیں نکل پائی ہے۔ اب اگر وہی لوگ دوبارہ اسی طرح کے نعرے کے ساتھ میدان میں آتے ہیں تو نتیجہ بھی یقیناً اسی طرح کا نکلے گا۔ بلکہ اب تو صورت حال اتنی خراب ہوگئی ہے کہ مشرک سیاسی رہنماؤں کو مسلمانوں کی قیادت کا کام اپنے

ہماری سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی کہ جو لوگ اس ملک میں شرعی عدالتوں کے قیام کی تحریک چلاتے ہیں وہ اہم ملی امور پر انہی شرعی عدالتوں سے فیصلہ کیوں نہیں لیتے؟ وہ انصاف کی طلب میں شرعی عدالتوں کے بجائے سپریم کورٹ کی طرف کیوں دیکھتے ہیں؟

ایجنٹوں کے ذریعے کرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اب وہ براہ راست میدان میں ہیں۔ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمان بے دین مسلم قائدین کے پیچھے چل سکتے ہیں اور اگر مسلمانوں میں دینی غیرت و حمیت واقعی ختم ہوگئی ہے تو کیا عجب کہ وہ براہ راست کسی غیر مسلم کی قیادت میں بابری مسجد کی لڑائی لڑنے پر آمادہ نہ ہوں۔

بابری مسجد کی موجودہ مہم سے مسجد کی بازیابی تو ہونے سے رہی، البتہ اتنا ضرور ہوگا کہ بے شعور مسلمانوں کے درمیان ملائم سنگھ کی مقبولیت کا گراف تیزی سے اوپر چلا جائے گا۔ مسجد کی مہم سے مسلمانوں کے ہاتھ تو صرف ہزیمت آئے گی البتہ اس پورے قضیے میں مسلم ووٹوں کا ارتکاز ملائم سنگھ کے ارد گرد ہوتا جائے گا۔ جب تک مسلمان اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل کسی ایسی جدوجہد میں نہیں ہے جو شرعی اصولوں کو پامال کر کے کی جارہی ہو اس وقت تک حالات میں بہتری کا کوئی امکان نہیں ہے۔ آخری رسول کی امت کا مقدمہ وہ شخص لڑ ہی نہیں سکتا جو اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہو۔ مسلمان اگر اس ملک میں اپنے لئے واقعی کوئی مستقبل چاہتے ہیں تو انہیں جلد از جلد یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کی لڑائی ملائم سنگھ کی قیادت میں نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں انجام پائے گی۔ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ملائم اور لالو کی قیادت کا راستہ ہموار کر رہے ہیں وہ ایک ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ شریعت کی نظر میں یہ ایک کھلی گمراہی ہے اور اس کے لئے یہ حضرات کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں لا سکتے۔



☝ یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

ہندوستان میں اسلامی اور غیر اسلامی ایجنڈے کی جنگ

کون کس طرف ہے؟

فی زمانہ ہندوستانی مسلمان سخت ذہنی تشنج سے دوچار ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی منزل کھوئی گئی ہو، جیسے وہ ایک اندھی گلی میں پھنس گئے ہوں جہاں سے آگے نکلنا ممکن نہ ہو۔ علماء و دانشور ہوں یا عام سوجھ بوجھ والے مسلمان، ہر کوئی اس احساس سے دوچار ہے کہ اس کی ملی زندگی کا سفینہ رفتہ رفتہ ڈوبتا جا رہا ہے۔ پوری امت اس وقت ایک ایسی کیفیت سے دوچار ہے جو کسی بحری سفر میں ان مسافروں پر گزرتی ہے جن کی کشتی میں سوراخ ہو گیا ہو اور جو دیر یا سویر اپنے ڈوب جانے کا انتظار کر رہے ہوں۔ مایوسی کے اس گرداب میں گاہے بگاہے اگر امید کی کوئی کرن نظر آتی ہے اور کسی گوشے سے کوئی زندگی افزا بات سننے میں آتی ہے تو عام لوگ یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اس ملک میں یہ سب باتیں قابل عمل نہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک کسی لائحہ عمل کی صداقت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ انہیں اپنے ذہنی سانچے میں قابل عمل بھی دکھائی دیتا ہو اور قابل عمل کی تعریف عام ذہنوں میں یہ ہے کہ ایک ایسا منصوبہ جس کے نتائج آسانی سے برآمد ہوتے ہوں اور جس میں کوئی خطرہ اور کوئی مہم جوئی نہ پائی جاتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ پچاس برسوں سے ہندوستانی مسلمان اصل اسلامی ایجنڈے کو چھوڑ کر ان غیر اسلامی ایجنڈوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں جس میں بظاہر تو زندگی کے تحفظ کی ضمانت دکھائی دیتی ہے لیکن در حقیقت ان میں زندگی سے کہیں زیادہ موت کا سامان ہے۔

ذرا غور کیجئے اگر آپ کلکتہ جانے کے ارادے سے اسٹیشن پر پہنچے ہوں اور آپ کو یہ معلوم ہو کہ کلکتہ جانے والی ٹرین میں نشستوں کا حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے پھر یہ بھی اطلاع ملے کہ اس راستے پر بعض حادثے کی وجہ سے اس ٹرین کا وقت پر چلنا ممکن نہیں۔ پتہ نہیں یہ ٹرین کب تک چلے؟ البتہ اسی دوران پلیٹ فارم کے دوسری جانب ایک ٹرین مدراس جانے کے لئے تیار کھڑی ہو اور اس میں نشستیں بھی خالی ہوں، اسباب سفر بھی مہیا ہو اور سفر کے خوشگوار گزرنے کا بھی امکان پایا جاتا ہو تو کیا صرف اس لئے آپ مدراس کی ٹرین میں سوار ہو جائیں گے کہ کلکتہ کا سفر فی الحال ایک ناقابل عمل سوال ہے، ایک تھکا دینے والی مہم جوئی ہے پھر کیوں نہ اس ٹرین میں بیٹھ لیا جائے جو بس اب چلا ہی چاہتی ہے۔ ہمارے خیال میں کوئی صحیح الدماغ شخص اپنی زندگی کے اہم موڑ پر فیصلہ کرتے وقت صرف یہ نہیں دیکھتا کہ مشکل کیا ہے اور آسان کیا؟ کیا قابل عمل ہے اور کیا ناقابل عمل؟ بلکہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے متعین اہداف کو حاصل کرے اس لیے وہ ایک آرام دہ سفر کو چھوڑ کر اس مشکل سفر کو اختیار کرتا ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہو۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنی ملی و اجتماعی زندگی میں ہمیشہ ایک ایسا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں جس میں کوئی مہم جوئی ہو اور نہ ہی کوئی خطرہ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت پوری امت مخالفت سمتوں میں صرف اس لئے سفر کر رہی ہے کہ یہ سب اسے قابل عمل معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے مدراس جانے والی آرام دہ گاڑی میں بیٹھ کر آپ خود کو سفر کا دھوکہ تو دے سکتے ہیں البتہ کلکتہ کی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔



☝ مہاراج! محمدؐ اور ان کا ایجنڈا کیا چیز ہے ہم آپ کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں

کہا جاتا ہے کہ اس ملک کو دوبارہ دارالاسلام بنایا جانا ممکن نہیں کہ ہم تعداد میں تھوڑے ہیں، ہماری حیثیت اقلیت کی ہے پھر یہ کہ یہ ایک سیکولر ملک ہے، یہاں اس طرح کی باتیں کرنا ناسمجھی کی باتیں ہیں، مصلحت کے خلاف ہے، حکمت سے پرے ہے۔ رہی یہ بات کہ مسلمانوں کے لئے اپنی اجتماعی زندگی کو اسلامی اصولوں پر منظم کرنا اور پوری زندگی کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں گزارنا بنیادی ایمان کا حصہ ہے تو یہ سب کچھ تو اصولی طور پر صحیح ہے لیکن بات یہ ہے کہ یہ ایک سیکولر ملک

گذشتہ پچاس برسوں سے ہندوستانی مسلمان اصل اسلامی ایجنڈے کو چھوڑکر ان غیر اسلامی ایجنڈوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں جس میں بظاہر تو زندگی کے تحفظ کی ضمانت دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت ان میں زندگی سے کہیں زیادہ موت کا سامان ہے

ہے۔یہاں کا دستور اساسی سیکولر ہے اس لئے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اس طرح کی باتیں کرنا مناسب نہیں۔ رہا اس ملک کو دوبارہ دارالاسلام بنائے جانے کی دینی ذمہ داری جو ہر مسلمان پر عاید ہوتی ہے تو یہ بات بھی اصولی طور پر صحیح ہونے کے باوجود ناقابل عمل ہے۔ مصلحت کے خلاف ہے،مصالح امت اسکی اجازت نہیں دیتے اس لئے اسطرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہمارے بعض معتبر بزرگ تو اب برملا یہ کہنے لگے ہیں کہ اس ملک میں سیکولرازم اور ڈیموکریسی کا نظام ایک الہامی بات ہے اور یہ کہ اس ملک کا مستقبل سیکولرازم،ڈیموکریسی اور عدم تشدد کے ارکان ثلاثہ سے وابستہ ہے۔جب دین اور شریعت کا علم رکھنے والے لوگ ایک غیر اسلامی نظام زندگی کو معتبر ٹھہرانے لگیں تو سمجھئے پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔اب اس بات کے انتظار میں وقت نہیں گنوایا جاسکتا کہ کسی جانب سے کوئی مرد درویش اٹھے اور ہمارے بھٹکے ہوئے قافلے کو سوئے حرم لے چلے بلکہ ایسی نازک صورت حال میں ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی توفیق کے مطابق اس ڈوبتی کشتی کو بچانے کی فکر ضرور کرے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس ملک میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے رسول کی اتباع کا معاشرہ قائم کرنے کی کوئی تحریک نہ تو اب تک کامیابی سے ہمکنار ہو سکی ہے اور نہ شاید آئندہ ہوگی۔ ہر شخص کے ذہن میں اس مفروضہ ناکامی کی اپنی اپنی توضیح ہے۔کوئی یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ مسلمان یہاں اقلیت میں ہیں اس لئے اس ملک کو امام عادل کی اتباع کے لئے ہموار کرنا ایک ناقابل عمل خیال ہے۔ بعض لوگ دین کے حوالے سے گاہے بگاہے جو سرگرمیاں نظر آتی ہیں اسے دراصل نظام اسلامی کے قیام کی کوشش سمجھتے ہیں اور چونکہ ان کوششوں کے نتیجے میں اب تک کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی اس لئے وہ یہ سوچ کر مایوسی کا شکار ہوتے ہیں کہ جب اتنی بہت سی دینی چلت پھرت سے کشف و مجاہدے،چلے اور تقاریر،درس قرآن اور تذکرہ نفس سے کچھ نہ ہو سکا اور جب بھاری بھرکم دینی شخصیات اور دینی اداروں نے موجودہ نظام کو ہی تسلیم کرلیا ہے تو یقیناً شریعت کا منشاء بھی یہی ہوگا۔ پھر وہ کیوں نہ نماز،روزے اور ذکر و ثواب کے ذریعے اپنی عاقبت کی فکر کریں۔ آخر اس فکر میں گھلے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اللہ کا دین مغلوب ہے اور آخری رسول کی امت پر ذلت کا دردناک عذاب طاری ہے۔ جب بڑے بڑے اہل شریعت اور متفکرین امت اپنی اپنی عاقبت کی فکر میں رات دن اذکار و وظائف میں مصروف ہوں، دونوں ہاتھوں سے ثواب اکٹھا کر رہے ہوں تو پھر عام مسلمان کو کیا پڑی ہے کہ وہ اسلامی نظام زندگی کے منتشر ہو جانے پر مضطرب اور پریشان ہو۔

ہمارے فکر و نظر میں کچھ اس تیزی سے زوال آیا ہے کہ اب دینی شعور رکھنے والے حضرات کو بھی اس بات پر مشکل سے یقین آتا ہے کہ رسول اکرمؐ کا زیر اتمام (Unfinished) ایجنڈا ہمارے ہاتھوں انجام پانا ہے اور یہ کہ اللہ کا دین کسی خاص ملک، کسی خاص زمانہ یا کسی خاص قوم کے لئے نہیں نازل ہوا ہے بلکہ ہر دور میں اور ہر سرزمین پر اہل ایمان پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ اہل زمین کو اہل زمین کی بندگی سے نکال کر الٰہ واحد کی بندگی میں لانے کی کوشش کریں۔ یہاں تک کہ پوری دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کی شریعت تمام زمینی شریعتوں پر غالب آجائے خواہ ایسا کرنا ممکن ہو یا ناممکن،قابل عمل ہو یا ناقابل عمل،مصالح امت شریعت کے حق میں ہو یا اس کے خلاف اور خواہ کفار و مشرکین کو یہ سب کچھ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے،اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ ہر صورت میں اپنی ساری توانائیاں اس عمل میں جھونک دیں۔ اسلام تو صرف یہ دیکھتا ہے کہ حق کیا ہے؟ حق کے تعین میں کبھی یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ اہل زمین کے لئے قابل قبول ہے یا نہیں؟ حق اگر حق ہے تو اسے ہر صورت میں نافذ ہونا چاہیئے۔ رہی یہ بات کہ مصالح امت کیا ہے؟ تو امت کے مصالح سے اللہ اور اس کا رسول زیادہ واقف ہے۔ جس نے اپنے پیارے رسول کو ایک ایسا انقلابی پیغام دے کر بھیجا ہے جس کی مخالفت پر کل بھی کفار و مشرکین کمربستہ تھے اور یقیناً آج بھی ہوں گے۔

چوں کہ عام ذہنوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اس ملک کو اسلامیانے کی ساری کوششیں اب تک ناکام ہوئی ہیں۔ مولانا محمد علی کی تحریک خلافت،مولانا آزاد کا حزب اللہ،مولانا حسین احمد مدنی کی روحانی فیوض و برکات اور بے شمار دردمند مسلمانوں کی شب و روز جدوجہد کے باوجود اس ملک کو دوبارہ اسلامی صبح دیکھنے کو نہیں ملی اور بھلا جب اتنی قدآور شخصیتوں نے اس مہم جوئی سے تنگ آکر سیکولرازم اور جمہوریت کے دامن میں پناہ لی ہو تو یقیناً اس نظام میں اسلام اور مسلمانوں کی فلاح کا سامان پایا جاتا ہوگا پھر منقسم ہندوستان میں گذشتہ پچاس برسوں میں مسلمان نچلے نہیں بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کی انجمنیں،دینی ادارے اور معتبر شخصیات مستقل کچھ نہ کچھ کرتے رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر مسلسل غور و فکر ہوتا رہا ہے،مشاورت ہوتی رہی ہے اور اسی ملک میں دین اور شریعت کے تحفظ کے لئے مسلمان مشترکہ اور متحدہ جدوجہد میں بھی

جب دین اور شریعت کا علم رکھنے والے لوگ ایک غیر اسلامی نظام زندگی کو معتبر ٹھہرانے لگیں تو سمجھئے پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔اب اس بات کے انتظار میں وقت نہیں گنوایا جاسکتا کہ کسی جانب سے کوئی مرد درویش اٹھے اور ہمارے بھٹکے ہوئے قافلے کو سوئے حرم لے چلے

حصہ لیتے رہے ہیں۔ پھر بھی اگر اس ملک میں دوبارہ نئی صبح کے طلوع ہونے کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی فضا کسی ایسے کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہے لہذا فوری طور پر اسلامی ایجنڈے کو مؤخر کیا جائے، اس ملک کو دوبارہ دارالاسلام بنانے کا خواب ترک کر دیا جائے۔ مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور سیاسی صف بندی کے خیال کو دل سے نکال دیا جائے اور کم از کم کچھ دنوں تک تو اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کی بات ہرگز نہ کی جائے، مبادا اس قسم کی انتہا پسندانہ باتوں سے غیر مسلم قوموں کا دل دکھے اور خواہ مخواہ کی غلط فہمیاں جنم لیں۔ یہی ہے وہ مقبول عام فکر جو جمہور مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ عام مسلمان یہ محسوس تو کرتا ہے کہ اس ملک میں وہ جس راستے پر چل رہا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا بتایا ہوا راستہ نہیں ہے، لیکن جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ بڑی بڑی دینی شخصیات اور شارحین شریعت خوشی خوشی اسی راستے پر گامزن ہیں تو اسے ایک لمحے کے لئے اپنی سمجھ پر دھوکہ ہوتا ہے۔ سوچتا ہے کیا پتہ ہندوستان کے مخصوص صورت حال میں شریعت کی ترجیح سیکولر ڈیموکریسی کا قیام ہو۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بات کا پتہ چلایا جائے کہ آخر اسلامی ایجنڈے کو اس ملک میں خاطر خواہ کامیابی کیوں نہیں حاصل ہو رہی ہے؟ پھر اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے کہ آخر وہ کون سے عوامل ہیں جس نے اس ملک میں اسلامی ایجنڈے کو ناقابل عمل خیال بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے باشعور لوگ جن کو اللہ تعالی نے دین کا درد بھی دے رکھا ہے، آخر وہ اسلامی ایجنڈے کو اس ملک میں منجمد کیے جانے پر خود کو کیوں کر مجبور پاتے ہیں؟ پھر اس بات کا بھی حساب کتاب لگایا جائے کہ اس ملک میں اسلامی ایجنڈے کو بروئے کار لانے کے لئے اب تک کتنی قوت صرف ہوتی رہی ہے اور اس کے نتائج خاطر خواہ نہیں نکلے تو ایسا کیوں ہے؟ پھر ہمیں یہ بھی دیکھیں گے کہ ہم جس جدوجہد کو دینی اور اسلامی جدوجہد سمجھتے رہے ہیں وہ واقعی شریعت کی کسوٹی پر دینی قرار پاتی ہے یا نہیں؟

اسلامی ایجنڈا

آئیے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ ہم جسے اسلامی ایجنڈا کہتے ہیں وہ ہے کیا؟ یہ ہمارے اپنے ذہن کی اپج ہے یا اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ۔ سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لینے کی ہے کہ اسلام مسلمانوں سے ایک اجتماعی اسلامی نظام کی تشکیل کا طالب ہے۔ امیر کے بغیر اسلامی زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ ایک ایسا امیر جو امت کے امور کا نگہباں ہو اور جو اسے ایک اجتماعی نظام عدل میں منظم رکھ سکے پھر اس امیر کی نگرانی میں امت اپنے اصل فریضے یعنی دعوت الی الحق پر مامور ہوتی ہے۔ ہندوستان ہو یا دنیا کا کوئی اور خطہ، مسلمان اس بات کے سزاوار ہیں کہ وہ جہاں بھی ہوں اپنی اجتماعی زندگی کو منظم کریں اور وہاں کتاب و سنت کی بنیاد پر انسانی معاشرہ تشکیل دیں۔ یعنی مدینے کی چھوٹی سی اسلامی ریاست جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قائم ہوئی تھی اور جس کا سیاسی شیرازہ ان دنوں منتشر ہے اسے دوبارہ قائم کرنا اور اس کی فکری اور جغرافیائی سرحدوں کو مسلسل وسعت دیتے رہنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ رہے وہ ممالک جو کبھی خلافت کا حصہ رہ چکے ہوں تو اس بارے میں فقہاء کا اجماع ہے کہ کسی سابق دارالاسلام میں مسلمانوں کے لئے صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ اسے دوبارہ دارالاسلام بنانے کی جدوجہد کریں۔ گویا ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے کرنے کا کوئی کام ہے تو یہ کہ اس ملک کے اجتماعی نظام زندگی کو اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کے مطابق منظم کریں۔ اس ملک کے باشندوں کو انسانی قوانین اور جمہوری استبداد سے نجات دلائیں۔ اللہ کی شریعت کے علاوہ ساری شریعتوں کا خاتمہ ہو اور ایک ایسی صورت حال پیدا ہو جس کے بارے میں کہا جا سکے "كلمة الله هي العليا"۔



اسلام زندہ رہے یا جائے، ہم وفادار مسلمانوں کا تو صرف ایک نعرہ۔ سونیا گاندھی کو حیات دوام عطا ہو

یہ ہے وہ اسلامی ایجنڈا جس کے مطالب و مفہوم سے کسی کو اختلاف کی جرات نہیں ہو سکتی۔ شریعت کی رو سے دنیا دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک کو دارالاسلام اور دوسرے کو دارالکفر یا دارالحرب کہتے ہیں۔ بقیہ دار کی جتنی قسمیں ہیں وہ سب ان ہی دو زمروں میں آتی ہیں۔ ہم جس سرزمین پر رہ رہے ہیں وہ یا تو دارالاسلام ہوگی یا دارالکفر۔ شریعت کی رو سے مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ دارالکفر میں دائمی سکونت اختیار کر لیں اور نہ ہی اسلام دارالکفر کی دائمی حیثیت کو پسند کرتا ہے۔ مسلمانوں کے دارالکفر میں رہنے کا اگر کوئی جواز ہے تو صرف یہ کہ وہ اسے ہر لحمہ دارالاسلام بنانے کی جدوجہد جاری رکھیں۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ محض مسلم آبادی کی اکثریت پر دارالاسلام کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ اس کیلئے لازم ہے کہ اللہ کی شریعت اس سرزمین پر نافذ ہو۔ مسلم اقلیت کا ایک ملک دارالاسلام ہو سکتا ہے اور مسلم اکثریت کا ملک دارالکفر کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ جو چیز دارالاسلام کو دارالکفر سے ممیز کرتی ہے وہ شریعت کا نفاذ ہے مسلمانوں کی کثرت تعداد نہیں۔ شریعت کی اس کسوٹی پر ہندوستان اور پاکستان دونوں

دارالکفر قرار پاتے ہیں اس لئے کہ وہاں بھی اللہ کی شریعت انسانوں کی شریعت کے تابع ہے اور یہاں بھی اس کا وہی حال ہے۔اس لئے اقلیت اور اکثریت کی بحث سے قطع نظران دونوں خطوں کے مسلمانوں سے شریعت کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ وہ اس دارالکفر کو دارالاسلام بنانے کی طرف پیش قدمی کریں۔

غیر اسلامی ایجنڈا

انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے دور لے جانے والے جتنے بھی منصوبے ہیں وہ سب غیر اسلامی ایجنڈے کا حصہ قرار پاتے ہیں۔ ہمارے عہد میں غیر اسلامی نظام زندگی کی بہت سی شکلیں سامنے آئی ہیں جو بظاہر ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں لیکن ایک نکتے پر سب کا اتفاق ہے۔وہ یہ کہ اللہ کی بندگی سے نکال کر لوگوں کو ہوا و ہوس کی بندگی پر لگا یا جائے۔ سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت، آمریت ہو یا جمہوریت، سیکولرازم ہو یا سوشلزم، وطن پرستی ہو یا نسل پرستی یہ سب کی سب جدید کفر کی مختلف شکلیں ہیں۔ شریعت کی رو سے یہ سب گمرہی کے راستے ہیں جن کو اختیار کرنا یا ان کی طرف دعوت دینا ارتکاب کفر کے مترادف ہے۔اسلام سرے سے جمہوریت کی نفی کرتا ہے اس لئے کہ جمہوریت بندوں پر بندوں کی حکمرانی کا اعلامیہ ہے جب کہ اسلام بندوں پر الہ واحد کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔جمہوری نظام انسانی شریعت کے سہارے چلتی ہے جب کہ اسلام انسانی شریعت کو یکسر رد کرتے ہوئے صرف آسمانی شریعت کے نفوذ کا طالب ہے۔ جمہوریت ایک غیر اسلامی نظریہ ہے۔ایک مسلمان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس کی طرف دعوت دے یا اس کے استحکام میں اپنا سر کھپائے۔اسی طرح سیکولرازم ایک اجنبی خیال ہے جو اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ دین کے معاملات کو دنیا سے نہ ملائیں۔اللہ کی شریعت کو مسجد کی چہار دیواریوں تک محدود رکھیں اور مسجد کے باہر انسانی شریعت کے مطابق کاروبار زندگی کو چلنے دیں۔ شریعت کے نقطہ نظر سے اجتماعی زندگی سے الٰہی شریعت کو بے دخل کر دینا اور اس کی جگہ ایک انسانی شریعت کو قبول کر لینا جرم عظیم ہے۔یہ ایک واضح اور صریح کفر کا ارتکاب کرنا ہے۔ جو لوگ سیکولرازم کے استحکام کے لئے کام کرتے ہیں وہ گویا صریح کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔اسلام کے علاوہ دنیا میں دوسرے جتنے بھی ازم ہیں ان کا وجود اس بات سے عبارت ہے کہ اللہ کی شریعت قابل قبول نہیں ہے ورنہ ایک الٰہی شریعت کی موجودگی ان بہت سی شیطانی شریعتوں کے ایجاد کی ضرورت ہی کیوں ہوتی؟

چوں کہ ہمارے عہد میں نظام کفر کے علمبردار کفر کی دعوت کے لئے نئے نئے،دلکش قالب اور خوش کن اصطلاحات استعمال کرتے ہیں اس لئے عام لوگوں کو اکثر یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ نظام کفر کے قیام کی دعوت نہیں بلکہ اعلیٰ انسانی اقدار کے معاشرے کے قیام کی دعوت ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے درد مند لوگ جمہوریت، سیکولرازم، انسانی حقوق، عدم تشدد اور حب الوطنی جیسی اصطلاحوں سے اس دھوکے میں آگئے ہیں کہ شاید وہ ان نظریات کی تبلیغ کے ذریعے مستقبل کے اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسے تمام لوگ کفر اور نظام کفر کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں۔

اس بات کی تفہیم کے لئے ہم آپ کی خدمت میں صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جس سے آپ کو بہت حد تک اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے چوٹی کے مفکرین کی رہنمائی اللہ کے ارشاد سے کتنی مختلف اور متضاد ہے۔

اللہ کا ارشاد

☐ کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ان ہدایات میں یقین رکھتے ہیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں اور جو ان سے پہلے لوگوں پر اتری ہیں۔ البتہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے امور کا فیصلہ نظام طاغوت کے مطابق کیا جائے حالانکہ انہیں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمرہی میں دور بہت دور لے جائے۔

(النساء:۶۰)

ہمارے اہل فکر کے فرمودات

☐ "جمہوریہ ہند کے سیکولر دستور میں تمام فرقوں اور قوموں کے مذہب اور کلچر اور عقیدہ کی ضمانت دی گئی ہے۔اس دستور کی نظر میں ملک کے مختلف فرقے اور آبادی کے مختلف العقیدہ عناصر برابر ہیں۔یہ دستور ایک ایسے ملک کے لئے جہاں متعدد قومیں، مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبوں کے لوگ رہتے ہیں موزوں ترین دستور ہے۔"

مولانا ابوالحسن علی ندوی (ہندوستانی مسلمان ص ۱۸۶)

☐ "اس ملک کی بقا کے لئے یہاں کے بزرگوں نے اس کو ضروری سمجھا کہ یہ ملک جمہوری، نامذہبی اور غیر متشدد ہو یہ طے کرنا ایک الہامی بات تھی۔"

مولانا ابوالحسن علی ندوی (بحوالہ تعمیر حیات، قومی آواز)

☐ "جمہوریت کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں،اب ساری دنیا نے جمہوری نظام کو ضروری سمجھ لیا ہے۔"

مولانا ابوالحسن علی ندوی

(بحوالہ کاروان زندگی)

قرآن کا تو اصرار یہ ہے کہ مسلمان اپنے امور کا فیصلہ نظام طاغوت کے مطابق ہرگز انجام نہ دیں اور اپنی زندگی کو ان آسمانی ہدایات کی روشنی میں منظم کریں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں، لیکن ہندوستانی مسلمانوں کی فکری قیادت ببانگ دہل اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ ہندوستان جیسے بین الملی ملک میں مروجہ دستور حیات ہی موزوں ترین دستور ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ بات کہی جا رہی ہے کہ اس ملک کا نامذہبی اور جمہوری ہونا ایک الہامی بات ہے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ وہ جمہوریت جیسے غیر اسلامی تصور کی چھان پھٹک کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتی، صرف اس لئے کہ بقول ان کے "اب ساری دنیا نے جمہوری نظام کو ضروری سمجھ لیا ہے"۔ جمہوریت ہو یا سیکولرازم یا اجتماعی زندگی کا کوئی اور سیاسی فلسفہ، قرآن کی نظر میں یہ سب نظام طاغوت کی مختلف شکلیں ہیں۔ پھر ہمارے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم ان کافرانہ نظریات کو قبولیت کی سند عطا کریں۔ اس طرح کی فکری انحرافات کی مثالوں سے ہندوستانی مسلمانوں کی گذشتہ پچاس سالہ تاریخ بھری پڑی ہے۔



ہم نے مثال کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کے سب سے معتبر عالم کو اس لئے منتخب کیا ہے کہ آپ کی ذات مسلمانوں کے تقریبا تمام حلقوں میں یکساں محترم اور معتبر ہے اور عام مسلمان رہنمائی کے لئے آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب ہمارے منارہ قیادت کا یہ حال ہو کہ وہ نظام اسلامی کے قیام کے بجائے نظام طاغوت کی مروجہ شکل کو معتبر ٹھہراتا ہو، اسے ایک الہامی بات گردانتا ہو تو عام مسلمان اس جمہوری تماشے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہوں تو کچھ عجب نہیں۔

اس ملک میں جو معرکہ درپیش ہے وہ دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایجنڈے اور کفار و مشرکین کے ایجنڈے کے درمیان ہے۔ کفار و مشرکین چاہتے ہیں کہ ان کی بنائی ہوئی شریعت جمہور اس ملک میں استحکام حاصل کرلے، یہ خیال کہ الٰہی شریعت کے مطابق اجتماعی زندگی کے امور فیصل کئے جاسکتے ہیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ جب کہ اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایجنڈا اس بات کا طالب ہے کہ اس ملک پر اسلامی شریعت کو بالادستی اصل ہو، امام عادل کی قیادت میں اس ملک کے امور انجام پائیں اور پچیس کروڑ اہل ایمان جو ایک غیر اسلامی نظام کے تحت اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، وہ ایک عالمی نظام اسلامی کا حصہ بن سکیں۔ دیکھا جائے تو رسول اکرم

شریعت کی رو سے مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ دارالکفر میں دائمی سکونت اختیار کرلیں۔ مسلمانوں کے دارالکفر میں رہنے کا اگر کوئی جواز ہے تو صرف یہ کہ وہ اسے ہر لمحہ دارالاسلام بنانے کی جدوجہد جاری رکھیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا ایجنڈا ہندوستان کے سیکولر، جمہوری ایجنڈے سے براہ راست ٹکراتا ہے۔ البتہ ہمارے لئے حیرت اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تقریباً تمام قابل ذکر دینی جماعتیں اور بااثر مذہبی شخصیات، باستثناء چند، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایجنڈے سے منہ موڑ کر کفار و مشرکین کے ایجنڈے کو بروئے کار لانے میں اپنی تمام تر قوت ضایع کر رہی ہیں۔

جدھر دیکھئے سیکولر قدروں کی بحالی اور جمہوری نظام کے استحکام کا غلغلہ بلند ہے۔ سیاسی مسلمان اور دین سے نابلد لوگوں پر ہی بس نہیں، ہندوستانی مسلمانوں کی شاید ہی کوئی قابل ذکر انجمن ہو جو جمہوریت کے استحکام کا راگ نہ الاپ رہی ہو۔ اگر آپ کو ہندوستانی مسلمانوں کی بے سمتی اور خالی الدماغی کا اندازہ کرنا ہو تو الیکشن کے موقع پر جاری ہونے والے فتاوے اور مسلم جماعتوں کی بھانت بھانت کی اپیلوں پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا۔ ہر شخص ہانکے پکارے یہی کہہ رہا ہوگا "لوگو آؤ جمہوریت کی طرف، نظام کفر کے استحکام کی طرف، اعلی سیکولر اقدار کے تحفظ کا یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ پائے، آؤ نظام کفر کے استحکام کے لئے تم سے جو کچھ بن پڑے ضرور کر گزرو" اس پورے ہنگامے میں کہیں سے یہ آواز سنائی نہیں دیتی کہ "لوگو اس ملک کو شریعت جمہور سے نجات دلا کر اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کے نفاذ کا سامان کرو کہ اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔"

الیکشن کا موقع ہو یا عام زندگی کی چہل پہل، آپ دیکھیں گے کہ جمہوری نظام کے استحکام کے لئے کام کرنے والے رضاکاروں کی فوج ظفر موج ہر وقت حرکت میں ہے، ہر پارٹی اپنے اپنے ڈھب کا نظام رائج کرنے اور اپنے انتخابی منشور کے نفاذ کے لئے سر توڑ جدوجہد میں مصروف ہے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانیوں سے بھی باز نہیں آتی۔ جہاں کفر کے خیمے میں ہر وقت چہل پہل ہے وہیں دوسری طرف آخری رسولؐ کا خیمہ ویرانی کا منظر پیش کرتا ہے۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہر شخص سیکولر غیر اسلامی ایجنڈے کے فروغ میں مصروف ہے۔ رسول اکرم کا اسلامی ایجنڈا یعنی اس ملک کو قرآنی خطوط پر منظم کرنے کا خواب ہماری توجہ سے یکسر محروم ہے اس لئے کہ پروپیگنڈے نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اس ملک میں قرآنی ایجنڈے کا فروغ ایک ناقابل عمل خیال ہے اور یہ کہ ایک کثیر ثقافت والے ملک میں ایسی انتہا پسندانہ باتیں نہیں کرنا چاہئے۔ عملی طور پر جو کچھ ممکن ہے وہ یہ کہ ہم کفار و مشرکین کے موجودہ جھگڑے میں سے کسی نہ کسی کو اپنے امور کی محافظت کا کام سونپ کر مطمئن ہو جائیں اور بس۔ گویا کہنے کو تو اس ملک میں بڑی قد آور مسلم قیادتیں موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سبھوں نے کسی نہ کسی اسلام دشمن کافر و مشرک کے ہاتھوں پر بیعت کر رکھا ہے۔ اب بھلا جن کی لگامیں کفار و مشرکین کی ہاتھوں میں ہوں ان سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی ایجنڈے کے نفاذ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔



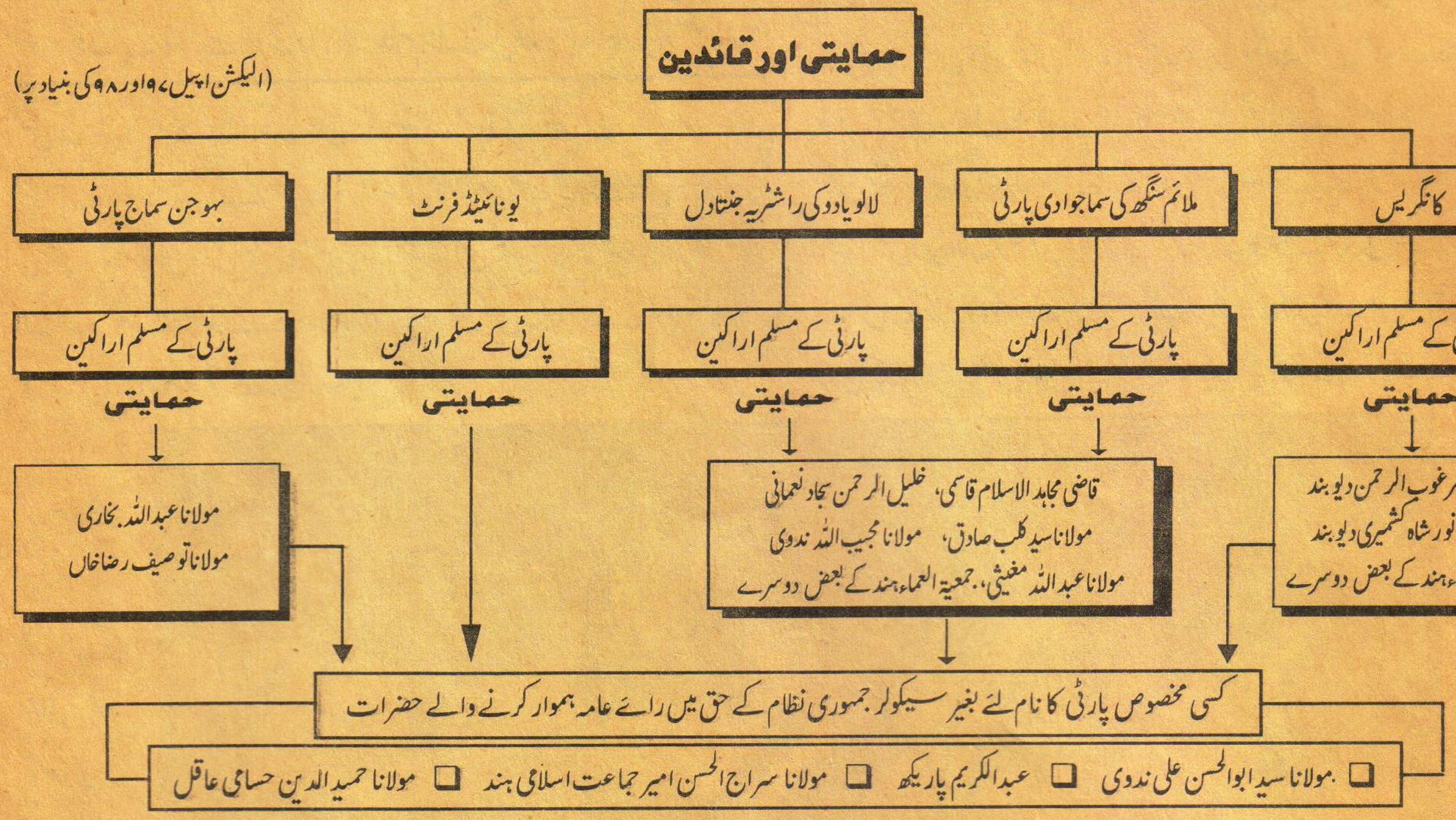
بھاجپائی ایجنڈے کی حمایت میں مصلیٰ باز مسلمانوں کا ایک اجتماع

گذشتہ الیکشن میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں کی طرف سے مختلف غیر مسلم قیادت کی حمایت میں جو بیانات جاری ہوئے ہیں اس کو سامنے رکھ کر اگر اسلامی

سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت، آمریت ہو یا جمہوریت، سیکولرازم ہو یا سوشل ازم، وطن پرستی ہو یا نسل پرستی یہ سب کی سب جدید کفر کی مختلف شکلیں ہیں۔

اور غیر اسلامی ایجنڈے سے وابستگی کا ایک شجرہ بنایا جائے تو بعض دلچسپ نتائج سامنے آتے ہیں۔

شریعت جمہور اور شریعت نامذہبیت کے علمبردار



آپ کسی بھی قابل ذکر مسلم جماعت یا شخصیت کا نام لیں، آپ دیکھیں گے کہ وہ کہیں نہ کہیں اس ٹیبل میں ضرور فٹ ہو جائے گا۔ مسلمانوں میں غیر اسلامی ایجنڈے کی حمایت کرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ہم نے گذشتہ الیکشن کے موقع پر جاری ہونے والے چند مستند اعلانات اور اپیلوں کی روشنی میں یہ فہرست ترتیب دی ہے۔ اگر اخباری بیانات پر جائیے اور مسلمانوں کی غیر اسلامی ایجنڈے کے لئے صرف ہونے والی قوت کی بنیاد پر اس فہرست میں اضافہ کریں تو آپ کو حیرت ہوگی کہ بہت کم ہاتھ ہیں جو نظام کفر کے استحکام میں آلودہ ہونے سے رہ گئے ہیں۔ ایک طرف تو غیر اسلامی ایجنڈے کے حامیوں کی فہرست طویل ہوتی جاتی ہے اور دوسری طرف اسلامی ایجنڈے کے لئے کام کرنے والوں کا انگلیوں پر شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ نظام کفر کے خیمے میں گہما گہمی ہے، چہل پہل ہے، سرگرمیوں کی بہار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ خالی رہ گیا ہے، حمایتی لاپتہ ہیں، پھر یہ شکایت کیوں ہے کہ اس ملک میں اسلامی ایجنڈا برگ و بار نہیں لاتا، یہاں کی مٹی ابھی اس پودے کی آبیاری کے لئے تیار نہیں ہوئی ہے۔

مسلمانوں کی مؤقر شخصیات کی طرف سے کی گئی ان اپیلوں پر نظر ڈالئے، یقین نہیں آتا کہ اپیلوں پر ان لوگوں کے دستخط ثبت ہیں جو دین اور شریعت کا علم رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اس بات کیلئے نص قطعی موجود ہے کہ کفار و مشرکین کو مسلمانوں کے امور کی نگہبانی نہیں سونپی جا سکتی، انہیں قیادت اور امامت کے منصب پر فائض نہیں کیا جا سکتا۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا یعنی قرآن تو اس بات کی مخالفت کرتا ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر حکمراں بنایا جائے۔ اور ہمارے اہل شریعت ہانکے پکارے مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ تم فلاں اور فلاں غیر مسلم قائد کو اپنے امور کی نگہبانی سونپ دو کہ اس ملک میں تمہارا مستقبل اسی کے ہاتھوں میں محفوظ ہے۔ اللہ اور اس کا رسولؐ تو اس بات کو حرام قرار دیتا ہو کہ اہل ایمان کسی گمراہ کافر و مشرک کی اتباع قبول کریں، اسے اپنے امور کی نگہبانی سونپیں یا اسے برسراقتدار لانے کے لئے جدوجہد کریں لیکن ہمارے علماء کرام ہمیں اس بات پر مجبور کریں کہ ہم موجودہ سیکولر، ڈیموکریسی کو استحکام بخشنے اور ان کی ڈھب کی غیر مسلم سیاسی قیادت کو برسراقتدار لانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں پر یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ وہ کفار و مشرکین کے حامی اور مددگار بن کر معصیت عظمیٰ کا ارتکاب کر رہے ہیں اور جب تک مسلمانوں کی قابل ذکر آبادی کفار و مشرکین کے کیمپ سے نکل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ میں دوبارہ واپس نہیں آجاتی اس وقت تک اسلامی ایجنڈے کو ناقابل عمل گردانا حقیقت واقعہ کے خلاف ہوگا کہ جب اسلامی ایجنڈے کے نفاذ کے لئے کوئی قابل ذکر تحریک نہیں چل رہی ہے، جب بڑے بڑے اہل شریعت نظام کفر کے استحکام میں شب و روز ایک کئے دیتے ہیں تو یہ کیسے توقع کر لیا جائے کہ ایک دن خود بخود اس ملک میں رسول اکرمؐ کے حامیوں کو فتح حاصل ہو جائے گی۔ کام نظام کفر کے استحکام کے لئے کریں اور شکایت یہ ہو کہ اسلامی نظام کا پودا برگ و بار نہیں لاتا، یہ کتنی عجیب بات ہے۔

اسلام اور پاکستان ہی ایٹم بم سے کیوں محروم رہیں

عالمی رائے عامہ سے شیخ یوسف القرضاوی کا سوال

نیوکلیائی کلب میں پاکستان کے داخلے کی خبر سے امت مسلمہ کو جس فخر اور تقویت کا احساس ہوا ہے اس کا اظہار مختلف اسلامی ممالک کے علماء اور ائمہ نے اپنی تقاریر اور خطبوں میں بھی کیا ہے کیونکہ انکے نزدیک یہ ان کا فرض ہے کہ امت کے افراد کو واقعات عالم سے آگاہ کرتے ہوئے ان پر نقد و تبصرہ کریں اور انکی روشنی میں یہ بھی بتائیں کہ ایسے میں امت مسلمہ پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔

اس مناسبت سے گذشتہ ماہ مصری عالم شیخ یوسف قرضاوی نے اپنے خطبہ جمعہ میں مسئلہ فلسطین، حماس اور الجہاد کے مجاہدوں کی جانبازی، اسرائیل کی عرب دشمن پالیسی اور امریکی سازشوں، انڈونیشیا کے اقتصادی بحران اور ملیشیا تک پر اسکے منڈلاتے ہوئے سائے کا تمہیداً ذکر کرتے ہوئے پاکستانی نیوکلیائی بم کو امت اسلامیہ کی قوت کا رمز اور سمبل قرار دیا۔



موصوف نے مئی میں پاکستان کیطرف سے کیے گئے پانچ نیوکلیائی دھماکوں کو ہندوستانی نیوکلیائی سرگرمیوں کے جواب سے تعبیر کیا جو نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے خطرہ ہیں۔ وہ اس اعتبار سے کہ ہندوستان اسرائیل کا حلیف ہے اور اسے ہر طرح کی اقتصادی اور تیکنیکی مدد دیتا رہا ہے اور وہ دانستہ طور پر ایسا کر رہا ہے کیونکہ ہندوستان پاکستان کا بدترین دشمن ہے۔ اسرائیل کی اسلام اور مسلم دشمنی عراق میں لائی ہوئی اس کی تباہی، مغربی ممالک میں موجود مسلمان اسکالروں کا قتل اور ایسی ہی دیگر اقدامات سے ظاہر ہے جنمیں اگرچہ پولیس کی تفتیش سے اسرائیل کا ہاتھ ثابت نہیں ہوسکا ہے لیکن آثار و قرائن کی روشنی میں انگلیاں اسرائیل کی طرف ہی اٹھتی ہیں۔

ہندوستانی نیوکلیائی دھماکوں کی آڑ میں اسرائیل پاکستان کو نشانہ بنانا چاہتا تھا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا اور پاکستان نے کامیاب جوابی دھماکے کر کے نیوکلیائی توازن کا ثبوت فراہم کر دیا۔ ۱۹۷۴ء میں ہند نے جب اپنا پہلا نیوکلیائی دھماکہ کیا تھا اسی وقت پاکستان نے نیوکلیائی طاقت کے حصول کا عزم کر لیا تھا اور اس نے جدوجہد شروع کر دی تھی اور یہ ان کا حق بھی تھا۔ آج جب یہ حق انھوں نے بخوبی حاصل کر لیا ہے تو ہم انھیں مبارکباد پیش کر رہے ہیں۔

شیخ قرضاوی نے پاکستانی نیوکلیائی دھماکوں پر مغربی واویلے پر حیرت کا اظہار کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ آج دنیا میں کوئی قوم اور کسی مذہب کے ماننے والے ایسے نہیں ہیں جنکے پاس نیوکلیائی طاقت اور ایٹم بم نہ ہوں، اس کے باوجود پاکستانی دھماکوں سے مغرب کو تشویش ہے، اسرائیل مرعوب ہے اور ہندوستان پریشان ہے، تو آخر کیوں؟ یہودی اپنی قلیل آمدنی کے باوجود ایٹم بم رکھتا ہے اور عالم اسلام کو ڈراتا رہتا ہے۔ تینوں مسیحی مسالک کے نمائندوں یعنی پروٹسٹنٹ امریکہ و برطانیہ، کیتھولک فرانس اور آرتھوڈکس روس کے پاس بھاری تعداد میں نیوکلیائی اسلحے موجود ہیں۔ بدھسٹ چین اور ہندومت کے نمائندے ہندوستان کے پاس بھی نیوکلیر بم ہیں۔ صرف اسلام پہ کیوں فرض کر دیا گیا ہے کہ وہ نہتا کھڑا رہے اور اس کے پاس ایسی کوئی بھی چیز نہ ہو اور پاکستان جو اسلامی ملک ہے وہ اس میدان میں آگے نہ آئے۔ مسلمانوں اور پاکستان دونوں کو نیوکلیائی عہد میں داخل ہونے کا پورا حق ہے کیونکہ توازن طاقتور اور کمزور کے درمیان کبھی قائم نہیں رہتا اور طاقتور ہی غالب رہتا ہے۔ مسلح شخص نہتے کو زیر کیے رہتا ہے۔

شیخ نے اس پر اظہار افسوس کیا کہ ریڈیو اور ٹی وی پر انھوں نے کسی مسلم ملک کے صدر مملکت یا وزیر اعظم سے یہ بیان دیتے ہوئے نہیں سنا کہ وہ پاکستان کے ساتھ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر انھیں کس بات کا ڈر ہے یہ نفسیاتی شکست کیوں تسلیم

> یہودی اپنی قلیل آمدنی کے باوجود ایٹم بم رکھتا ہے اور عالم اسلام کو ڈراتا رہتا ہے۔ تینوں مسیحی مسالک کے نمائندوں یعنی پروٹسٹنٹ امریکہ وبرطانیہ، کیتھولک فرانس اور آرتھوڈکس روس کے پاس بھاری تعداد میں نیوکلیائی اسلحے موجود ہیں۔ بدھسٹ چین اور ہندومت کے نمائندے ہندوستان کے پاس بھی نیوکلیر بم ہیں۔ صرف اسلام پہ کیوں فرض کردیا گیا ہے کہ وہ نہتا کھڑا رہے اور اس کے پاس ایسی کوئی بھی چیز نہ ہو

کی جارہی ہے۔ ایک طرف کلنٹن پاکستان کو دھمکا رہا ہے تو دوسری طرف ناٹو ڈرا رہا ہے۔ ادھر مغرب قوتیں اس پر اقتصادی پابندیوں کا شکنجہ کسنے کو تیار بیٹھی ہیں۔ تاہم ان سب کے باوجود پاکستانی وزیراعظم نے اس بحران کا سامنا پامردی کے ساتھ کرنے کا پیغام اپنے عوام کو دیا ہے اور ایسے وقت میں جب کہ پاکستان کو ہندوستان اور اسرائیل دونوں سے خطرہ ہے اور پاکستان اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہوچکا ہے۔ ہم اس کے عوام سے جو ہمارے بھائی ہیں کہ ہم اس جنگ میں دامے درمے قدمے سخنے اس کے ساتھ ہیں اور اس کی فتح و نصرت کے لیے دعاگو ہیں۔ ہماری اس حمایت کی وجہ ہمارا یہ یقین ہے کہ پاکستان نے نیوکلیائی دھماکہ کرکے کسی پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہی کیا جس کی متقاضی قومی قیادت وسیاست تھی۔ نہ ہی اس نے سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہ کرکے کسی بین الاقوامی قانون کی مخالفت کی۔ اس کے برعکس بہت سے عرب ممالک نے دستخط کیا ہے اور اس کا راز سمجھ سے باہر ہے جب کہ ان کے پڑوس میں اسرائیل کے پاس وہ سارے ہتھیار ہیں جن کے حصول و تخزین سے دیگر ممالک کو روکا جارہا ہے۔ یہ عجیب نیا نظام عالم ہے جس کے تحت عراق کے نیوکلیائی وکیمیاوی اسلحوں کو حتی کہ ان کی علمی صلاحیت کو بھی برباد کیا جارہا ہے اور ایسا کوئی مطالبہ اسرائیل سے نہیں کیا جارہا ہے۔ یہی وہ دہرا معیار ہے جس کے تحت جدید دنیا کے اجارہ دار تمام لوگوں کے ساتھ ایک منطق کی روشنی میں سلوک نہیں کرتے اور بذات خود یہ منطق مختلف افراد کے ساتھ مختلف ہوجاتی ہے۔ ہند نے اسرائیلی پالیسیوں کی حمایت میں نہ صرف پاکستان کی دشمنی اختیار کی ہے بلکہ خود اپنے ملک میں بھی مسلمانوں کے حقوق کی خلاف ورزی کررہا ہے جیسا کہ بابری مسجد کے انہدام سے ظاہر ہے۔ لیکن یہاں ہم دنیا پر یہ حقیقت واضح کردینا چاہیں گے کہ مسلمان کوئی لقمہ تر نہیں ہیں جسے جو چاہے نگل جائے۔ مسلمان جہاد کرنے والی قوم ہے یعنی ایک ایسی قوم جس پر اللہ نے اپنا دفاع کرنا فرض قرار دیا ہے۔

ہندوستان ہر اعتبار سے اسرائیل کی ہی تصویر ہے اور اس میں فرمان الٰہی کی تفسیر ہے کہ **"لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیهود والذین اشرکوا"** تاریخ شاہد ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار مکہ کا ساتھ دیا تھا کیونکہ کفار سے ان کی اغراض وابستہ تھیں۔ یہی موقع پرستی ہندوؤں میں بھی آئی ہے وہ اپنے آس پاس کے ممالک پر دانت گاڑے رہتے ہیں کہ کہاں سے کیا ملک سکتا ہے۔ ان کے بعض لیڈروں نے اپنی کتابوں میں واضح طور پر لکھا ہے کہ نیپال، پاکستان، بنگلہ دیش، برما، افغانستان، ملیشیا کو فتح کرتے ہوئے سنگاپور تک پہنچے بغیر وہ امن وسکوت سے نہیں بیٹھیں گے۔ بلکہ ان کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ ہمیں دو بڑے علاقے فتح کرنے ہیں۔ ایک طرف سنگاپور اور دوسری طرف نہر سویز۔ ان کے ایک لیڈر کا تو یہ بھی دعوی ہے کہ کعبہ ہندوؤں کا قدیم معبد تھا جس پر عربوں نے قبضہ کرلیا۔

کل تک ہم کہا کرتے تھے کہ اسرائیل کے ارادے دیوانے کے خواب سے زیادہ کچھ نہیں لیکن اپنی میراث کے تحفظ اور اس کے مسائل سے ہماری غفلت نے دیوانے کے خواب کو حقیقت میں بدل دیا ہے۔ یہودیوں اور مشرکوں پر ہم نے اپنے دروازے خود ہی کھول رکھے ہیں اور انھیں اپنے مال و متاع سے اس قابل بنائے ہوئے ہیں کہ وہ ہمارے ہی مسلم بھائیوں کی گردنوں پر چھری پھیریں اور ہمارے ہی سینوں پر بندوق تانیں۔ جس دن ہمیں دوست اور دشمن کی تمیز ہوجائے گی اسی دن صحیح سمت میں ہمارا پہلا قدم اٹھ سکے گا۔ ▭

کابل میں اسلام

طالبان حکومت کے دو سالہ دور اقتدار پر چند تاثرات

کابل پر طالبان کے اقتدار کو کوئی دو سال ہونے کو ہے۔ دو سال کے عرصے میں کابل سے مختلف قسم کی خبریں آتی رہی ہیں۔ کبھی یہ خبر آئی کہ نئی حکومت نے ہر مرد کے لئے داڑھی کو لازم قرار دیا ہے اور کبھی یہ سننے میں آیا کہ طالبان کنٹرول علاقوں میں خیمہ نما برقعوں کی تجارت زوروں پر ہے۔ کبھی لڑکیوں کے اسکول بند ہونے کی خبر آئی تو کبھی یہ سننے میں آیا کہ قدامت پرست طالبان نے بین الاقوامی رفاہی انجمنوں کو دھکے مار کر شہر سے نکال دیا ہے۔ ان خبروں سے عام لوگوں کے ذہن میں کابل کا ایک ایسا نقشہ سامنے آیا جہاں ہر طرف لہراتی، بل کھاتی داڑھیاں نظر آتی ہوں، پراسرار برقعے حرکت میں ہوں، شہر میں ویرانی کا ماحول ہو، مسکرانا ممنوع اور ہنسنا ناقابل معافی جرم ہو، طالبان کے جوشیلے نوجوان ہاتھوں میں کوڑے لئے عورتوں کی برہنہ پنڈلیاں تلاش کر رہے ہوں۔ کوئی بے داڑھی والا شخص نظر آیا اور اس کی شامت آئی۔



یہ ہے وہ تصویر جو عام ذہنوں میں افغانستان کی موجودہ حکومت کے حوالے سے بنتی ہے۔ سچ پوچھئے تو اس تصویر کے بننے میں خود طالبان کے جوشیلے نوجوانوں کا رول سب سے زیادہ ہے۔ وہ لوگ جو اپنے دلوں میں اسلام کا سچا درد رکھتے ہیں اور جو افغانستان میں طالبان کے عروج کو فال نیک سمجھتے رہے ہیں انہیں بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر اسلام کا یہ کون سا ایڈیشن ہے جسے طالبان دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ لیکن طالبان تو طالبان ہیں عالمان نہیں، جیسا کہ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر قاضی حسین احمد نے پچھلے دنوں کہا۔ پھر ان سے عالمان والے رویے کی توقع کیسے کی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ طالبان ہوں یا عالمان کہلانے والے مختلف سیاسی پارٹیوں کے بزرگ تجربہ کار رہنما یہ سب کے سب ابھی تک قدیم افغانی روایات کی دنیا میں جی رہے ہیں۔ وہ اسلام کا نام تو ضرور لیتے ہیں لیکن اسلام کے مقابلے میں اپنی قدیم روایات سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

یہ سچ ہے کہ کابل پر طالبان کے قبضے کے بعد ملک کی عمومی زندگی میں صورت حال بہتر ہوئی ہے، زندگی معمول کی طرف لوٹی ہے اور عام لوگوں کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ کابل میں کوئی حکومت قائم ہے۔ طالبان کے سخت ترین ناقدین بھی ان کی اس کامیابی کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ افغانستان میں اقوام متحدہ کے ذمہ دار بریگیٹی نیو باچر کا کہنا ہے کہ طالبان کی حکومت میں اب تک لوٹ مار کا کہیں بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا ہے، لیکن دوسری طرف اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ قیام امن کی مہم میں طالبان نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس میں مخالفین تو مخالفین حامیوں کو بھی اختلاف رائے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی حکومت اپنے مخالفین کو صرف بندوق کے زور پر خاموش کئے رکھے اور اختلاف رائے کو برداشت نہ کرے تو یہ ایک مصنوعی فضا ہوگی۔

اسلام کے ساتھ یہ ایک عجیب مصیبت ہے، جو کوئی چاہتا ہے اپنی پسند کا ایک اسلام نافذ کر دیتا ہے۔ حکمرانوں کو جب نفاذ اسلام کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے لوگوں کو کوڑے لگوانے اور چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا کام شروع کر دیتے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے اسلام کے نفاذ کا بنیادی مقصد ہاتھ کاٹنے اور کوڑے لگنے تک ہی محدود ہے۔ رہا نظام عدل کا قیام تو یہ ایک بڑا دشوار طلب معاملہ ہے، اس بکھیڑے میں کوئی پڑنا نہیں چاہتا۔ پاکستان میں نظام اسلامی کے نام پر بہت سے حکمراں اس طرح کی حرکتیں کرتے رہے ہیں۔ پاکستانی حکمرانوں کے مقابلے میں طالبان یقینا مخلص لوگوں کا ایک گروہ لگتا ہے جو ہر قیمت پر افغانستان میں ایک صالح حکومت کا قیام چاہتا ہے لیکن ان بے چاروں کی مشکل یہ ہے

کہ ان کے یہاں اسلام کا انقلابی تصور مقامی اقدار میں گڈمڈ ہوگیا ہے۔ یہ چاہتے تو اسلام کا نفاذ ہیں لیکن اسلام کے نام پر جو دین داری صدیوں سے ان کے یہاں چلی آرہی ہے اسے بھی وہ اسلام کا حصہ سمجھ بیٹھے ہیں اور اپنے اس رویے میں وہ اتنے سخت ہیں کہ ان لوگوں کو بھی سننا نہیں چاہتے جو کتاب وسنت سے دلیل لاتے ہیں۔

قدیم قبائلی معاشرے میں اس بات کا برا مانا جاتا ہے کہ عورتیں گھریلو تعلیم سے آگے بڑھ کر مدارس اور یونیورسٹی کا رخ کریں۔ رہی یہ بات کہ کوئی عورت اپنی ذاتی آمدنی کے لئے تجارت اپنائے یا کوئی اور حلال طریقہ اختیار کرے تو اس بارے میں قدیم افغانی معاشرے میں کوئی روایت نہیں پائی جاتی۔ افغانی یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کے لئے حصول رزق کی کوشش ایک شیطانی فعل ہے، یہ مغرب سے برآمد کردہ تصور ہے اسے دیس نکال دیا جانا چاہیئے۔ جب عورتوں کی سماجی زندگی میں شمولیت معیوب سمجھی جاتی ہو تو پھر عورتوں کے تعلیمی اداروں کا وجود ہی بے محل ہو جاتا ہے، پھر اگر طالبان عورتوں کی



تعلیمی اداروں کو بند کر رہے ہوں تو صاف طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اپنے قبائلی اقدار کی تحفظ کی دھن میں اتنے مست ہیں کہ انہیں اسلام کے ان مطالبات کا احساس بھی نہیں جو اسلام ہر باشعور مسلمان سے کرتا ہے۔ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے علم کا حصول مرد اور عورت دونوں کے لئے لازم قرار دیا ہے۔ صدر اول میں مسلم خواتین نے زندگی کے ہر میدان میں اپنا وجود محسوس کرایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد میں تاجر عورتوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور ایسی خواتین کا بھی جن سے ملی امور میں باقاعدہ مشاورت کی جاتی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نئے خلیفہ کی تقرری کے سلسلے میں مدینہ میں جن لوگوں سے مشورہ کیا ان میں بعض خواتین بھی شامل تھیں پھر اسی امت میں اہل علم اور باکمال خواتین کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ صدر اول کے اسلامی معاشرے میں زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جہاں مسلم خواتین نے اپنی صلاحیت کا لوہانہ منوایا ہو۔ یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوا جب مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حصول علم کے مواقع فراہم کئے گئے اور انہیں یہ بتایا گیا کہ مردوں کی طرح عورتوں کا علم حاصل کرنا لازم ہے، یہ صرف ان کی

طالبان یقیناً مخلص لوگوں کا ایک گروہ لگتا ہے جو ہر قیمت پر افغانستان میں ایک صالح حکومت کا قیام چاہتا ہے لیکن ان بے چاروں کی مشکل یہ ہے کہ ان کے یہاں اسلام کا انقلابی تصور مقامی اقدار میں گڈمڈ ہو گیا ہے۔

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے علم کا حصول مرد اور عورت دونوں کے لئے لازم قرار دیا ہے۔ صدر اول میں مسلم خواتین نے زندگی کے ہر میدان میں اپنا وجود محسوس کرایا ہے

پسند یا ناپسند کا معاملہ نہیں۔

اسلام کا یہ تصور ان جاہلی معاشروں سے میل نہیں کھاتا جس میں عورتوں کو یکسر مختلف چیز سمجھا گیا ہو۔ برصغیر کے ہندو معاشرے میں عورتوں کو زندگی کی عمومی رو سے تقریباً دور رکھا گیا ہے۔ کچھ یہی حال افغان کے قبائلی معاشرے کا ہے جہاں زندگی کی امور میں کبھی بھی عورتوں کی رائے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ان کا کام صرف چولھے چکی تک محدود رہا، علم کا حصول ان کے لئے ایک غیر ضروری چیز تھی۔ انہیں یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ دنیا کدھر جارہی ہے، غلبہ اسلام کی تحریک کس مرحلے میں ہے، دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے کہ یہ سب کام مردوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ اسلام عورتوں کے اس قبائلی استعمال کا سخت مخالف ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اسلامی تحریک میں مؤثر رول ادا کرنے کا موقع مل سکے اور یہ تبھی ممکن ہے جب عورتوں پر بھی مردوں کی طرح تعلیم کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ اسلام یہ تخصیص نہیں کرتا کہ عورتوں کو کسی خاص قسم کی تعلیم دینا مقصود ہے۔ یہ تو مغرب کا نظام تعلیم ہے جو عورتوں کے لئے ہوم سائنس اور کڑھائی بنائی کے کام کو زیادہ موزوں سمجھتا ہے ورنہ اسلام تو عورت کو حصول علم کی اتنی آزادی دیتا ہے کہ وہ فقیہ وقت کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے اس طرح کہ بڑے بڑے مرد حضرات علمی معاملات میں اس کی رائے جاننے کے مشتاق اور محتاج ہوں۔ ظاہر ہے یہ انقلابی تصور افغان قبائلی اقدار کی تار و پود بکھیر کر رکھ دے گا لیکن اگر طالبان کو افغانستان پر اسلام کی سربلندی مقصود ہے تو انہیں قبائلی اقدار کے معاملے میں اسلام کو قبول کر لینا چاہیئے کہ اگر ایسا ہو گیا تو مسلم خواتین شخصی آزادی کے لئے مغرب کی طرف دیکھنے کے بجائے اسلام کی طرف دیکھیں گی اور افغانستان میں مسلم خواتین کی معطل شدہ قوت دوبارہ اسلام کو واپس مل جائے گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو صرف کابل پر طالبان کی گرفت کمزور نہ ہوگی بلکہ اس خطے سے اسلامی انقلاب کے طلوع کی جو امید پیدا ہوئی تھی وہ دوبارہ روشن ہو جائے گی۔

سمرقند و بخارا اسلام کی راہ پر

وسط ایشیا میں اسلامی تحریک کی پیش قدمی پر ایک اہم رپورٹ

وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں سوویت یونین کی جبر سے تو آزاد ہو گئیں البتہ ابھی انہیں سابق کمیونسٹ حکمرانوں سے آزاد ہونا باقی ہے۔ تقریباً تمام ہی ریاستوں میں ابھی تک حکومت انہی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو کل تک کمیونسٹ پارٹی کے وفادار ملازمین سمجھے جاتے تھے۔ البتہ گذشتہ چند برسوں میں جب سے عام مسلمانوں کو روسی تسلط سے آزادی کا احساس ہوا ہے، اس خطے میں ملی اور دینی سرگرمیوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ عام لوگ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ سیاسی سرحدوں سے باہر ان کا تعلق ایک بڑی امت سے ہے۔ دریں اثنا خلیجی ممالک سے مسلم تنظیموں کے وفود اور شخصیات بھی بڑے پیمانے پر ان علاقوں کا دورہ کرتی رہی ہیں اور ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ وسط ایشیا کے مسلمانوں کو دوبارہ عالمی اسلامی برادری کا متحرک حصہ بنایا جائے۔ پھر جو لوگ ایران، افغانستان، پاکستان، وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں اور ترکی ان سب ممالک کو ملا کر ایک عظیم اسلامی بلاک بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں انہوں نے بھی اس خطے میں اسلامی سرگرمیوں پر سخت محنت کی ہے۔ نتائج حوصلہ افزا ہیں۔ آج وسط ایشیا کی تمام ریاستوں میں اسلام اور اسلامی نظام کی طرف واپسی کا ایک عام رجحان پایا جاتا ہے۔

کمیونسٹ حکمراں اس صورت حال سے سخت خائف اور پریشان ہیں۔ جب تک اسلام صرف مساجد کی چہار دیواریوں تک محدود تھا اور جب تک دین کے نام پر نماز، روزے کی مہم چل رہی تھی ان حضرات نے کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ بعض ریاستوں میں تو اس صورت حال کا حکومت کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا، لیکن رفتہ رفتہ جب اسلامی شعور کی بیداری کے نتیجے میں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں وسط ایشیا کو دوبارہ قوت اسلامی کا گہوارہ بنانا ضروری ہے اور جب سے لوگوں میں یہ احساس پروان چڑھنے لگا کہ اس خطے میں اسلام کی سیاسی قوت اسلام کے عالمی غلبے کے خواب رکھنے والے ہاتھوں میں منتقل ہونا ضروری ہے تب سے موجودہ کمیونسٹ حکمراں سخت بدحواس دکھائی دیتے ہیں۔ کل تک اللہ اکبر کی ہر صدا سوویت روس سے بغاوت کا اظہار سمجھی جاتی تھی اب ایسا لگتا ہے کہ اللہ اکبر کی ہر آواز سے خود ان کی کرسیاں ہل رہی ہیں۔

یہ بات تو اب صاف نظر آتی ہے کہ آنے والے دنوں میں وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں میں اسلامی تحریک کا راستہ روکنا ناممکن ہوگا۔ عوام اسلام کی پیاسی ہے، وہ ایک طویل کمیونسٹ حکمرانی سے اوب چکی ہے اس لئے خطے میں جہاں کہیں اسلام کی سربلندی کا منصوبہ بنتا ہے اس کی پشت پر عوامی حمایت محسوس کی جاتی ہے۔ کمیونسٹوں کے ادارے ٹوٹ پھوٹ کے شکار ہیں۔ نوجوان کمیونزم کو ایک ایسی شی سمجھتے ہیں جس کا فیشن ختم ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں اقتدار پر سابق کمیونسٹ حکمرانوں کی گرفت کمزور ہونا ضروری ہے



لیکن یہ کمیونسٹ حکمراں بھی آسانی سے کرسی چھوڑنے والے نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت تاجکستان، ازبکستان، آذربائجان اور قزاقستان میں اسلام اور مردہ کمیونزم کے درمیان زبردست معرکہ آرائی چل رہی ہے۔ اسلام کو ایک روحانی فلسفے کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے تو ان ممالک کے حکمراں بآسانی تیار ہیں البتہ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ مسجدوں سے باہر بھی اسلام کو برداشت کیا جائے۔ رہا اسلام کا سیاسی فلسفہ اور خطے میں قوت اسلامی کی تشکیل کا معاملہ تو ازبکستان کے صدر اسلام کیریموف کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو دیکھتے ہی گولی مار دینا چاہئے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو میں خود اپنے ہاتھوں سے ایسے لوگوں کو قتل کروں گا جو اسلامی نظام زندگی کی بات کرتے ہیں۔ کیریموف نے یہ بات کہیں اور نہیں بلکہ پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہی ہے جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ انقلابی اسلام کی

مخالفت میں پرانے کمیونسٹ حکمراں کتنے سخت ہیں اور وہ اسلام کی سیاسی قوت کو اپنے لئے کتنا بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں۔ وسط ایشیا میں مسلم انقلابیوں کو مطعون کرنے کے لئے انہیں وہابی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حکمرانوں کا کہنا یہ ہے کہ ان وہابیوں کو جہاں بھی دیکھو گولی مار دو۔ ابھی ازبکستان کے پارلیمنٹ میں آزادی مذہب کے نام سے جو قانون ترتیب دیا ہے اس میں دوسری بہت سی باتوں کے علاوہ اس بات کو بھی جرم بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص حکومت کی اجازت کے بغیر مذہب کی تعلیم دے۔ نئے قانون کے مطابق ان مذہبی تنظیموں کو ملک میں کام کرنے کی اجازت نہ ہوگی جن کے پاس حکومت کی طرف سے عطا کردہ لائسنس نہ ہو اور عوامی مقامات پر کسی کو مذہبی لباس پہننے کی اجازت نہ ہوگی۔

کیری موف انقلاب اسلام سے اس قدر خائف ہے کہ وہ جس روس کے خلاف کل تک علم بغاوت بلند کرتے تھے آج اسی روس کے ساتھ انہوں نے انقلاب اسلام کو ٹھکانے لگانے کے لئے ایک معاہدے پر دستخط کیا ہے۔ ازبکستان کو پاکستان سے بھی شکایت ہے کہ وہ باقاعدہ انقلابی نوجوانوں کی تربیت کے بعد انہیں ازبکستان بھیج رہا ہے، حالانکہ واقعہ صرف اتنا ہے کہ بہت سے ازبک نوجوان پاکستان کے مختلف درس گاہوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اب اگر وہ اسلام کا ایک انقلابی تصور لے کر اپنے ملکوں کو واپس جاتے ہیں اور اپنے ملک کے حکمرانوں کو اس اسلامی تصور سے بہت دور پاتے ہیں تو ان کے اندر بے چینی کا پیدا ہونا فطری ہے۔ ازبکستان اور دوسری ریاستوں میں اسلام کا انقلابی تصور صرف پاکستان سے نہیں آرہا ہے بلکہ ایران، سعودی عرب اور دنیا کے مختلف خطوں سے اسلامی تنظیموں کے وفود مستقل وسط ایشیا پر انقلابی اسلام کی شعاعیں پھینک رہے ہیں۔ بظاہر اتنی مختلف جہاد پر حکومت کا روک لگانا ممکن نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اب حکمرانوں کو خطرے کی گھنٹی بجتی دکھائی دے رہی ہے اور وہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے کمربستہ نظر آرہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ستر مسلم انقلابیوں پر مختلف قسم کے مقدمات چلائے گئے۔ ان سبھوں پر الزام ہے کہ یہ لوگ ازبکستان میں ایک اسلامی حکومت کے قیام کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان نوجوانوں کو یا تو جیل بھیج دیا جائے گا یا انہیں سزائے موت دے دی جائے گی۔

مسلم انقلابیوں پر صرف ازبکستان میں ہی ایام حیات تنگ نہیں بلکہ وسط ایشیا کی دوسری ریاستوں میں بھی کچھ یہی صورت حال ہے۔ کرغستان میں ابھی چار

موجودہ کمیونسٹ حکمراں سخت بدحواس دکھائی دیتے ہیں۔ کل تک اللہ اکبر کی ہر صدا سوویت روس سے بغاوت کا اظہار سمجھی جاتی تھی، اب ایسا لگتا ہے کہ اللہ اکبر کی ہر آواز سے خود ان کی کرسیاں ہل رہی ہیں۔

وسط ایشیا میں مسلم انقلابیوں کو مطعون کرنے کے لئے انہیں وہابی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حکمرانوں کا کہنا یہ ہے کہ ان وہابیوں کو جہاں بھی دیکھو گولی مار دو۔

مسلم انقلابیوں کو اس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے کہ وہ لوگ حکومت کو الٹنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ حکومت نے انقلابیوں کو خبردار کیا ہے کہ انقلابی اسلام کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جائے گا۔ تاجکستان میں سابق کمیونسٹ حکومت اور مسلم انقلابیوں کے درمیان چھ سالہ جھڑپوں کے بعد گذشتہ سال ایک معاہدے پر دستخط ہوئے تھے۔ انقلابیوں کو کچھ وزارتیں دی گئیں اور آئندہ انتخاب منصفانہ طور پر کرانے کا وعدہ کیا گیا۔ انقلابی جانتے ہیں کہ وسط ایشیا میں کہیں بھی اگر منصفانہ انتخاب ہوتا تو انہیں اقتدار میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

وسط ایشیا میں اس وقت جو لوگ حکومت کر رہے ہیں، ان کی مجبوری یہ ہے کہ وہ پرانے دقیانوسی روسی نظام کے عادی ہیں۔ وہ کسی نئے نظام کو قائم کرنے کی نہ تو صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی پرانے نظام میں اتنی قوت ہے کہ خطے کو موجودہ معاشی بحران سے نجات دلاسکے۔ مزید یہ کہ پورا نظام کرپشن میں جکڑا ہوا ہے اس لئے محض چہروں کی تبدیلی سے نہ تو اس خطے میں کوئی بہتر مستقبل طلوع ہو سکتا ہے۔ عوام کمیونسٹوں کے منحوس چہرے دیکھ دیکھ کر تھک گئے ہیں، وہ ہر قیمت پر تبدیلی چاہتے ہیں اور چونکہ ایک متبادل نظام کا نعرہ مسلم انقلابیوں کی طرف سے آیا ہے اس لئے وہ امیدوں کا مرکز بن گئے ہیں۔ چند سو لوگوں کو پھانسی دے کر یا چند ہزار نفوس کو جیلوں میں ڈال کر اب اس تحریک کا راستہ روکنا ممکن نہیں۔ اب یہ سب کچھ انقلابیوں کی بصیرت پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح تھکے ہارے کمیونسٹوں کے ہاتھوں سے اقتدار کی لگامیں کھینچ لیتے ہیں۔

اسلام میں اجنبی تصورات کی آمیزش

ایک عام مسلمان حیران و پریشان ہے کہ یہ سب کچھ اتنا الٹا پلٹا کیوں ہے؟

سیاسی زوال کے گذشتہ ڈیڑھ سو سالوں میں ہندستانی مسلمانوں کو جس محاذ پر سب سے زیادہ ہزیمت اٹھانی پڑی ہے وہ ان کا فکری اور نظریاتی محاذ ہے۔ غیر اسلامی نظام کے دباؤ کے تحت ان کے فکری سانچے میں بعض ایسی بنیادی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے جس نے آگے چل کر آنے والے دنوں میں نشاۃ ثانیہ کے کام کو سخت مشکل بنا دیا۔ جب کسی قوم کے بنیادی تصورات مسخ ہوجائیں، خیر و شر کے پیمانے آپس میں گڈمڈ ہوجائیں تو سخت حالات میں راستہ بنانا ممکن نہیں رہتا۔ آج ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی زوال اگر رکنے کا نام نہیں لیتا اور اگر ان کے عزائم کا گراف مسلسل نیچے جارہا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عروج و زوال کے محاکمے کے لئے ان کے پاس جو بعض بنیادی پیمانے تھے وہ اب اپنی اصل شکل و صورت میں باقی نہیں رہے، حتی کہ بنیادی اسلامی اداروں اور اہم نوعیت کے تصورات پر بھی غیر اسلامی اجنبی تصورات نے کچھ اس طرح حملہ کیا ہے کہ بعض بنیادی تصورات ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں۔ اسلامی اصطلاحات تو باقی ہیں لیکن ان اصطلاحات کے معانی و مفاہیم میں حیرت انگیز طور پر تبدیلی آگئی ہے اور جب بنیادی تصورات اپنے اصل مفاہیم سے دور جاپڑیں تو ان مروجہ اصطلاحوں کے سہارے دوبارہ نظام اسلامی کی تشکیل نو کا کام کچھ آسان نہیں رہتا۔ دوسری طرف عام مسلمانوں کو بھی یہ مغالطہ رہتا ہے کہ ان اصطلاحات کے سہارے دین و شریعت کی چلت پھرت ان کی زندگی میں گاہے بگاہے موجود ہے۔ انہیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ بے جان اصطلاحیں اپنے اصل معانی سے دور جاپڑی ہیں اور یہ کہ ان کی زندگی اب دراصل معصیت کے گرداب میں ہچکولے کھا رہی ہے۔

ذرا غور کیجئے اگر کوئی شخص ہندوستانی مسلمانوں کو سیکولر ڈیموکریسی کے قیام پر اکساتا ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول کا منشا اور مطلب بتاتا ہے تو آپ میں سے کچھ باشعور لوگ تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ سیکولر ڈیموکریسی کے قیام کی یہ دعوت دراصل دین سے انحراف ہے، یہ ایک غیر اسلامی ایجنڈا ہے، دین و شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ پھر آپ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ غیر اسلامی ایجنڈے کے داعیوں کے پاس کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ وہ اگر زیادہ سے زیادہ کچھ کہتے ہیں تو صرف اتنا کہ ہمیں کتاب و سنت کا بڑا علم ہے، ہم فقیہ العصر اور قطب وقت ہیں، ہم پر یہ منکشف ہوا ہے کہ آج اس ملک کو اللہ کی شریعت سے کہیں زیادہ سیکولر ڈیموکریسی کی ضرورت ہے لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ میری دعوت پر کان دھریں۔ یقیناً ایسے لوگوں کے جبہ و دستار سے وقتی طور پر کچھ ہلچل تو ہوتی ہے لیکن جب کوئی اللہ کا بندہ اس دعوے کو باطل ٹھہرانے کے لئے کتاب و سنت سے کوئی دلیل لے آتا ہے تو بڑی سے بڑی شخصیت کا اعتبار لمحے بھر میں ہوا ہو جاتا ہے۔ عام آدمی کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ حق کس کی طرف ہے البتہ اگر اجنبی تصورات کو اسلامی قالب اور شرعی اصطلاحات کے ذریعے لوگوں میں عام کیا جائے اور اگر شرعی اصطلاحات کے معانی و مفاہیم بدل کر اسے رائج کرنے کی کوشش کی جائے تو عام لوگوں کے لئے اس بات پر یقین کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ ان شرعی اصطلاحات کے ذریعے جو کچھ بھی پیش کیا جارہا ہے وہ دراصل اللہ اور اس کے رسول کا منشا ہے، پھر کم حوصلہ شارحین شریعت اور دنیادار



کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا　　وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

علماء سوء کی بن آتی ہے جو ان شرعی اصطلاحات کا سہارا لے کر نظام کفر کی عین سرپرستی میں اسلامی زندگی جینے کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔

جب نظام کفر کے اندر رہ کر اسلامی زندگی کا کاروبار آسانی سے چل رہا ہو اور جب کسی مہم جوئی کے بغیر آخرت کا حصول ممکن ہو اور جب شخصی مغفرت کے لئے اسی نظام معصیت میں رہ کر خوشی خوشی دونوں ہاتھوں سے ثواب کا انبار لگایا جاسکتا ہو تو پھر اس فکر میں گھلے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت مغلوب ہے۔

ہندوستان کی سرزمین پر جسے ہم سابق دارالاسلام کہتے ہیں، یہ بات اب بہت کم ذہنوں پر واضح ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دراصل ہم سے چاہتا کیا ہے؟ زوال کا احساس اور بے بسی کے جہنم میں گھٹ گھٹ کر جیئے جانے کا تجربہ تو ہم میں سے ہر ایک کو ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جن کے دلوں میں موجودہ صورت حال سے نکلنے کی شدید تڑپ بھی پائی جاتی ہو۔ اسلامی زندگی جینے کی موہوم آرزو تو یقینا ہر دل میں موجود ہے لیکن جب ہمیں گاہے بہ گاہے اسلامی اصطلاحیں اپنے اردگرد متحرک دکھائی دیتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے لمحے بھر کے لئے ہمارے اندرون میں اٹھ رہی بغاوت کو قرار آگیا ہو۔ لگتا ہے شاید سب کچھ اسی نظام کے اندر ممکن ہے۔ بھلا جب دین و شریعت کا سارا کاروبار اس ملک میں چل رہا ہو، جب شرعی امارتیں قائم اور شرعی عدالتیں کھٹاکھٹ اپنے فیصلے سنا رہی ہوں، جب کوئی امیرالہند امور امت کی نگہبانی کے لئے موجود ہو تو عام آدمی کو اپنی نجات کے لئے کوئی مشکل ترین اور لمبا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

عقل حیران ہے کہ اسلامی نظام کے اہم ادارے ایک غیر اسلامی نظام میں کیسے فٹ بیٹھ گئے ہیں۔ کیا یہ وہی شرعی امارت ہے جو کسی اسلامی نظام کا کلیدی حصہ ہوا کرتی ہے یا ان جیسی دینی اصطلاحوں کے سہارے اس ملک میں جو کچھ رائج ہے وہ دراصل دین اور شریعت سے دور بہت دور ایک ایسی چیز ہے جسے ایجاد بندہ کہنا چاہئے۔ چوں کہ غیر اسلامی اجنبی تصورات نے عین اسلامی تصورات پر قبضہ جمایا ہے اس لئے بعض اوقات اکثر دردمند مخلص مسلمان بھی ان ہی مروجہ تصورات کو صحیح اسلام سمجھنے کی غلطی کر جاتے ہیں۔ معاملہ کسی جزوی یا فروعی مسئلے کا نہیں بلکہ دین کے بنیادی تصورات کا ہے۔ ذیل میں ہم چند معروف اصطلاحات پر مختصرا گفتگو کریں گے اور یہ

> آج ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی زوال اگر رو کے نہیں رکتا اور اگر ان کے عزائم کا گراف مسلسل نیچے جا رہا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عروج و زوال کے محاکمے کے لئے ان کے پاس جو بعض بنیادی پیمانے تھے وہ اب اپنی اصل شکل و صورت میں باقی نہیں رہے۔

> جب شخصی مغفرت کے لئے اسی نظام معصیت میں رہ کر خوشی خوشی دونوں ہاتھوں سے ثواب کا انبار لگایا جاسکتا ہو تو پھر اس فکر میں گھلے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت مغلوب ہے۔

بتائیں گے کہ ان اصطلاحوں کو اپنے اصل مفاہیم سے ہٹا کر اور ایک مقامی قالب دے کر ہم نے اسلام کی انقلابی دعوت کو کس طرح مسخ کر دیا ہے۔

مسلم پرسنل لاء

سب سے پہلے پرسنل لاء کو لیجئے جسے عام اصطلاح میں ہم ہندوستانی مسلمانوں کی شریعت سمجھتے ہیں۔ اس ملک میں شریعت کی تحفظ کے خاطر ہم نے بے شمار جانیں قربان کی ہیں، بڑی بڑی تحریکیں چلائی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر عدالتی فیصلے کے نفاذ کو روکنے کے لئے پارلیمنٹ سے اپنے ڈھب کا قانون بھی پاس کروایا ہے۔ ہمارے علماء و مشاہیر یہ کہتے رہے کہ مسلمان اگر اپنے عائلی مسائل کے حل کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور طرف دیکھتے ہیں یا پرسنل لاء کے علاوہ کسی اور سیکولر قانون کے ذریعے عائلی زندگی کے امور فیصل کرتے ہیں تو شریعت کی روشنی میں یہ ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ یہ دراصل کھلم کھلا ارتداد ہے لیکن یہی علماء جو عائلی زندگی میں شریعت کی خلاف ورزی پر اتنے حساس ہیں ان کی زبانیں زندگی کے بقیہ تمام گوشوں میں غیر اسلامی قوانین کے نفاذ کے خلاف نہیں کھلتی حالانکہ وہ قرآن کی اس آیت کا حوالہ دینے سے نہیں چوکتے **"ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون"**

سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر مسلمان نکاح و طلاق اور وراثت کے مسئلے میں شریعت کی رہنمائی سے بے نیاز ہو جائیں تو ان پر ارتداد کی مہر ثبت ہو جاتی ہے، لیکن یہی مسلمان زندگی کے دوسرے تمام اہم تر مسائل میں الٰہی شریعت سے منہ موڑ کر انسانی شریعت کے ذریعے اپنے امور فیصل کرائیں تو ان پر ارتداد کا الزام کیوں نہیں عاید ہوتا؟ آخر جو لوگ عائلی زندگی میں اسلامی شریعت کی اتباع کے لئے اس قدر بے چین ہیں وہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اسلامی شریعت کو کالعدم قرار دیئے جانے پر مضطرب کیوں نہیں؟ شریعت کا یہ مفہوم کہ وہ صرف پرسنل لاء تک محدود ہے ایک گمراہ کن خیال ہے۔ ہمارے عہد میں عام مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ تصور تقویت پا چکا ہے کہ شریعت کی پاسداری کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ نکاح و طلاق اور وراثت کے مسائل مولویوں سے حل کرائیں، رہی بقیہ زندگی اور زندگی کے دوسرے اہم تر مسائل تو بھلا اسلام کو ان پیچیدگیوں سے کیا واسطہ! ان مسائل

میں وہ آزاد ہیں کہ انسانوں کی بنائی ہوئی شریعت کی پیروی کریں۔ شریعت کا محدود تصور عام ہو جانے سے عام مسلمان زندگی کے بقیہ امور میں شریعت جمہور کی اتباع کو معصیت نہیں سمجھتا وہ خوشی خوشی ایک اسلامی زندگی جینے کے فریب میں مبتلا رہتا ہے۔

شرعی عدالت

کچھ یہی حال شرعی عدالتوں کا ہے۔ شرعی عدالتوں کے نام سے ملک کے مختلف مقامات پر جو دار القضاء قائم ہیں وہ دراصل اسلام کے عظیم الشان نظام قضاء کا منہ چڑھا رہے ہیں۔ عام ذہنوں میں ان عدالتوں نے اسلامی نظام عدل کا بڑا فرسودہ، مضمحل اور بے جان تصور پیدا کیا ہے گویا اسلامی عدالت صرف نکاح و طلاق اور وراثت کے مسائل تک دسترس رکھتی ہے۔ عام لوگوں کو چند لمحے کے لئے یہ دھوکہ تو ہوتا ہی ہے کہ اس ملک میں شرعی عدالتیں موجود ہیں، شریعت کا نظام جاری و ساری ہے۔ نظام کفر کی جاہ و حشمت کے سائے میں مجبور و بے بس شرعی عدالتوں کا تصور ایک اجنبی خیال ہے، اسلام کی طویل تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ دراصل **ادخلوا فی السلم کافّۃ** کا انکار ہے۔ اسلام اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ زندگی کا کچھ حصہ اللہ کی اتباع میں ہو اور کچھ کفر کی اتباع میں۔ جب تک یہ شرعی عدالتیں مکمل اسلام کو اپنی کارگزاریوں کا ایجنڈا نہیں بناتیں تب تک ان کی شرعی حیثیت مشکوک رہے گی۔

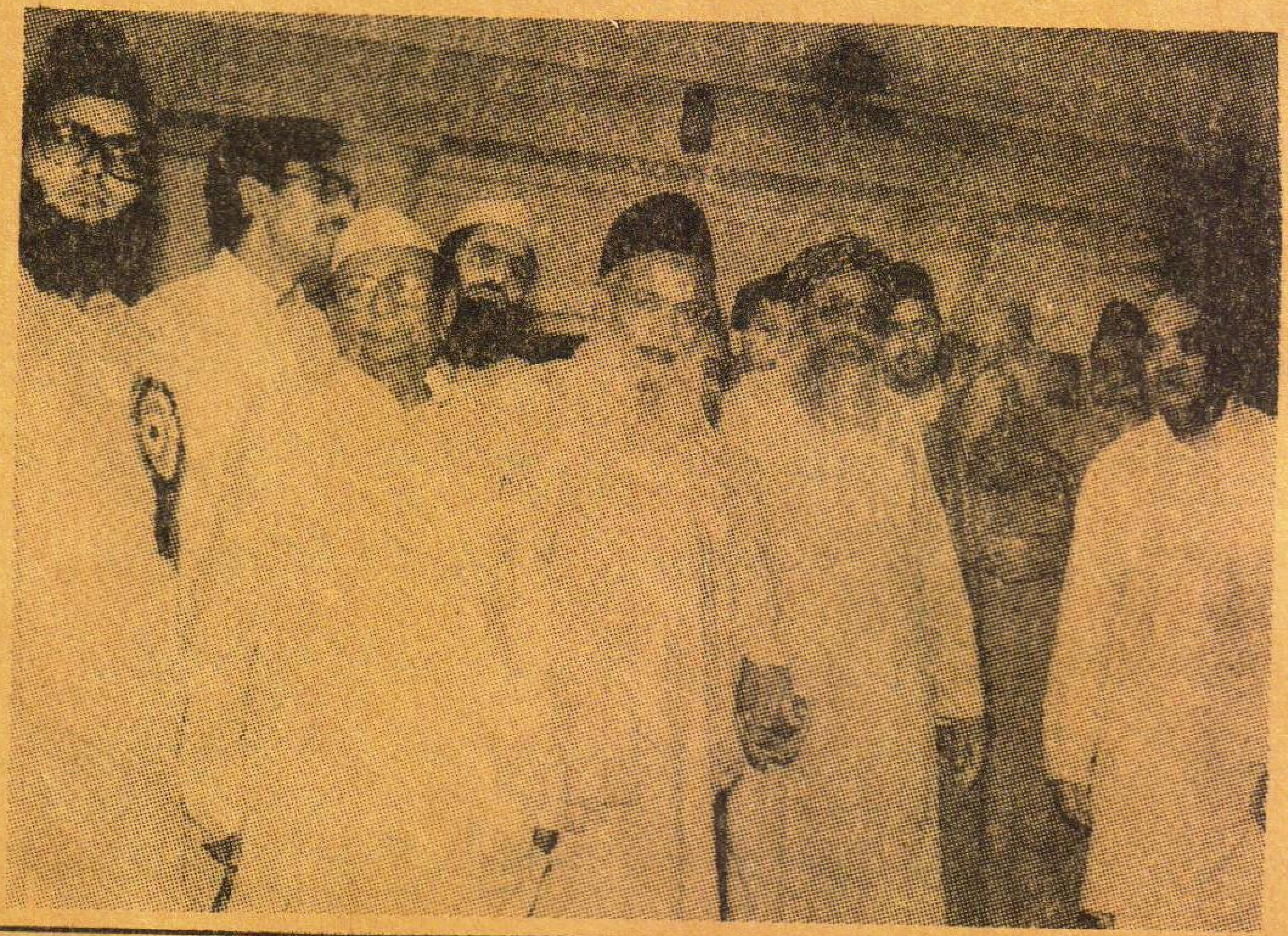
عقل ماتم کناں ہے کہ آخر ہم کس دینداری کے مبلغ اور علمبردار ہیں۔ پرسنل لاء کے سلسلے میں ایک طرف تو ہم حد درجہ حساس ہیں اور دوسری طرف عائلی مسائل میں فیصلہ سنانے کا اختیار غیر مسلم ججوں کو دے رکھا ہے۔ کیا اسلامی

آخر جو لوگ عائلی زندگی میں اسلامی شریعت کی اتباع کے لئے اس قدر بے چین ہیں وہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اسلامی شریعت کو کالعدم قرار دیئے جانے پر مضطرب کیوں نہیں؟ شریعت کا یہ مفہوم کہ وہ صرف پرسنل لاء تک محدود ہے ایک گمراہ کن خیال ہے۔

شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ شرعی امور پر غیر مسلم جج فیصلے صادر کریں؟ پھر آخر پرسنل لاء کو موجودہ غیر اسلامی عدالتوں میں جاری رکھنے پر ہمیں اصرار کیوں ہے؟ اسلام اس بات کو سرے سے تسلیم نہیں کرتا کہ غیر مسلموں کے ذریعہ مسلمانوں کے امور فیصل کرائے یا غیر مسلموں کو مسلمانوں کے مابین حکم بنائے۔

امیر الہند

آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ اس ملک میں مسلمانوں کا کوئی امیر بھی موجود ہے۔ امیر الہند کی اصطلاح سب سے پہلے مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنے لئے استعمال کی تھی۔ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت کے لئے بڑی پرشور آواز کے ساتھ میدان میں آئے تھے لیکن اس پر خطر راستے کو چھوڑ کر بہت جلد وہ گاندھی کی قیادت کے اسیر ہو گئے۔ تقسیم ہند کے بعد بھی گو کہ ان کے مداح انہیں امیر الہند کہنے سے باز نہ آسکے لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ عملی اعتبار سے امیر الہند کا منصب جواہر لال نہرو کو مل چکا تھا۔ فی زمانہ بہت سے لوگ امیر الہند کے منصب پر اپنا دعوی برقرار رکھے ہوئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان میں سے ہر کسی نے اپنا امیر کسی غیر مسلم سیاسی قائد کو بنا رکھا ہے۔ اسی طرح کہنے کو خالص شرعی امارتیں بھی اس ملک میں قائم ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسی شرعی امارتیں ہیں جنہوں نے اپنی گردنوں پر نظام کفر کو مسلط کر رکھا ہے۔ اسلام کسی ایسی شرعی امارت سے واقف نہیں جس کے پاس کوئی قوت نافذہ نہ ہو اور جو خود اجتماعی زندگی میں کفار و مشرکین کی قیادت کو معتبر جانتی ہو۔ اسلام کا نظام امارت تو قائم ہی اس وقت ہوتا ہے جب کفر کا نظام زمیں بوس ہو چکا ہو۔ ایک ہی سرزمین پر بیک وقت امارت شرعیہ اور امارت کفریہ قائم نہیں ہو سکتے۔



خود ساختہ اولی الامر اور اصحاب دعوت وارشاد راؤ اور کیسری کے آستانے پر

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اسلام بیک وقت بہت سی امارتوں کا قائل نہیں۔ مسلمانوں میں کئی امارتیں وجود میں نہیں آسکتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر دو لوگ امارت یا خلافت کی دوڑ میں ہوں تو جس کی بیعت پہلی قائم ہو گئی اسے ہی معتبر گردانا جائے گا۔ اگر دوسرا دعویدار پھر بھی اپنی خلافت پر اصرار کرے تو اس کی گردن ماری جائے گی۔ ”**ومن بایع إماماً فأعطاہ صفقۃ یدہ**

وثمرة قلبه فليطعه ان استطاع، فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر " (مسلم) دوسری جگہ آپ نے فرمایا "**إذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما**"

عام آدمی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس ملک میں واقعی امیر الہند کون ہے؟ شرعی امیر کسے گردانا جائے اور کسے نہیں؟ کس کی امارت قائم ہوگئی ہے اور کون قابل گردن زدنی؟ امارت کے دعویدار تو بہت سے ہیں لیکن وجوب امارت کی سخت کسوٹی پر خود کو پرکھنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ امت کے اندر ایک خانہ جنگی کی سی کیفیت برپا ہے۔ ہر امیر اپنے وجوب امارت کو صحیح مان کر دوسرے کی گردن مار دینا چاہتا ہے۔ ہر حلقہ دوسرے حلقے کا شاکی ہے، ہر شخص کو صرف اپنی تشریح و تعبیر کے سو فیصد صحیح ہونے پر اصرار ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ سب جھوٹی امارت کے جھوٹے دعویدار ہیں، ان میں سے کسی کی امارت سرے سے قائم ہی نہیں ہوئی ہے۔ اسلام کسی ایسی امارت سے واقف نہیں جو ہر آن ہر گلی کوچے سے ابلی پڑتی ہو اور نہ اسلام میں ایسے بہت سے امراء کی گنجائش ہے جو بھانت بھانت کی آواز لگاتے ہوئے ہر لمحے اپنے ظہور کی خبر دے رہے ہوں۔ اسلام میں امیر کی وحدت شرط ہے جو خلیفہ کی ذات تک محدود ہے بقیہ جتنی بھی امارتیں قائم ہوں گی ان کی حیثیت دراصل نیابت کی ہوگی لہذا جب تک خلیفہ ان امراء کو منظوری عطا نہ کرے ان کی امارت سرے سے قائم نہیں ہوتی خواہ یہ گردنوں میں امیر الہند یا امیر شریعت کی تختیاں ہی کیوں نہ لٹکالیں۔

سلسلہ بیعت و دعوت و ارشاد

نظام کفر میں اسلامی زندگی جینے کا مغالطہ پھیلانے میں روحانی پیر و فقیر بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ جسے دیکھئے لوگوں سے بیعت لے رہا ہے، مرید بنانے کی مہم زور و شور سے چل رہی ہے۔ یہاں بھی حصول آخرت کا نسخہ آسان ہے، نماز روزے سے لگے رہیے اور اس پر چند اوراد و وظائف کا اضافہ کر لیجئے۔ یہ حضرات جنت کی بشارت کچھ اس طرح دیتے ہیں جیسے بازاری حکیم شرطیہ علاج کا اشتہار شائع کراتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ملک بھر میں مختلف خانقاہوں اور درگاہوں میں کس بات کی بیعت لی جارہی ہے اور یہ کہ ان حضرات کو بیعت لینے کا اختیار کہاں سے حاصل ہوگیا ہے۔

کیا اسلامی شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ شرعی امور پر غیر مسلم جج فیصلے صادر کریں؟ پھر آخر پرسنل لاء کو موجودہ غیر اسلامی عدالتوں میں جاری رکھنے پر ہمیں اصرار کیوں ہے؟

اسلام کا نظام امارت تو قائم ہی اس وقت ہوتا ہے جب کفر کا نظام زمیں بوس ہوچکا ہو۔ ایک ہی سرزمین پر بیک وقت امارت شرعیہ اور امارت کفریہ قائم نہیں ہوسکتے۔

اسلام میں بیعت کا تصور صرف رسول اللہ کی ذات گرامی کے لئے ہے۔ خلیفہ وقت آپ کے نائب کی حیثیت سے امت سے بیعت کا طالب ہوتا ہے۔ انعقاد بیعت کے بعد امت کی نگہبانی اور رسول اکرم کے مشن کے لئے اس امت کو متحرک اور منظم رکھنے کا کام اس کے کندھے پر آپڑتا ہے۔ اسلام میں بیعت تو صرف ایک شخص کے لئے ہوسکتی ہے اس کے علاوہ جو لوگ بھی لیں گے وہ خلیفہ کی ایماء پر اس کے نائب کی حیثیت سے، اس کے علاوہ بیعت کے کسی اور تصور کو اسلام قبول نہیں کرتا۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب گذشتہ ۷۴ سالوں سے یہ امت خلیفۃ المسلمین سے محروم ہے تو پھر کس خلیفہ کی ایماء پر اور کس خلیفہ کی نیابت میں اتنے بہت سارے پیر و فقیر لوگوں سے دھڑا دھڑ بیعت لے رہے ہیں۔ خلیفہ کے غیاب میں اور نظام اسلامی کے عہد انتشار میں بے چین اور مضطرب مسلمان اگر کسی شخصیت سے عہد و پیمان کی قسم کھائیں تو اس کا جواز صرف اور صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ نظام خلافت کے قیام کے لئے ایک منظم جدوجہد کریں گے۔ یہ بھی ایک عبوری مرحلہ ہوگا اسے دائمی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ رہے موجودہ دور کے بیعت باز سجادہ نشین اور گوشہ عافیت میں پناہ گزیں اصحاب کشف حضرات تو ان کے طرز عمل سے اس بات کا شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ حضرات خلافت اسلامی کے غیاب پر اپنے اندر کوئی بے چینی محسوس کرتے ہیں۔

دینی جماعتیں اور اسلامی زندگی

اسلامی زندگی کا تصور جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " **من خلع يدا من طاعة الله لقي الله يوم القيامة لا حجة له. ومن مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية** " (مسلم) اسلام ایک اجتماعی نظام زندگی کا طالب ہے جس کی باگ ڈور خلیفہ وقت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ خلیفہ وقت کو مرکز امت کی حیثیت حاصل ہے۔ پوری امت پر لازم ہے کہ وہ خلیفہ وقت کی نگرانی کو اور اس کی اطاعت کو کھلے دل سے قبول کرے کہ اگر مرکز امت سے اس کا تعلق ٹوٹ گیا تو اس کا اسلام مشتبہ ہوجاتا ہے۔ یہ اور اس قبیل کی احادیث جو امت کو ایک اور صرف ایک مرکز کے گرد مضبوطی سے جوڑے رکھنا چاہتی ہیں، عجب مقام افسوس ہے کہ ان ہی حدیثوں کا سہارا لے کر امت میں مختلف مراکز وجود میں آگئے ہیں۔ ہر جماعت یہ کہتی ہے کہ امیر کے

بغیر اور جماعت کے بغیر کوئی اسلامی زندگی نہیں ہو سکتی اور چوں کہ امیر اور جماعت دونوں ہی ہماری جماعت میں موجود ہیں اس لئے آؤ ہماری جماعت میں شامل ہو کر اسلامی زندگی جینے کا مزا لوٹو۔ اس طرح ہر جماعت اپنے جماعتی دائرے کو وسیع کرنے میں کوشاں ہے۔

یہ خیال ذہنوں سے محو ہو گیا ہے کہ اسلام جس امیر کو ہماری نگہبانی سونپنا چاہتا ہے وہ دراصل خلیفہ وقت کی ذات ہے اور جماعت سے مراد دراصل "**الجماعة**" یعنی رسول اللہ کی امت ہے جس کا کنٹرول پوری طرح خلیفہ وقت کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور چوں کہ خلیفہ وقت رسول کے غیاب میں نائب رسول کی حیثیت سے امور امت کا نگراں اور محافظ ہوتا ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ خلیفہ وقت کی اطاعت سے منہ موڑے ۔بصورت دیگر اس کا رشتہ رسول اکرم کی امت سے کٹ جائے گا اور اگر اسی حالت میں اس کی موت آگئی تو اسے عالم جاہلیت میں مرنے والا شمار کیا جائے گا۔ حیرت ہے کہ اتنی سیدھی سی بات کو جو امت میں صرف اور صرف ایک مرکز کے قیام پر دال ہیں اسے بہت سی جماعتیں اور مراکز قیام کے لئے بطور حجت پیش کیا جا رہا ہے۔

اولی الامر

الٰہی ہدایات کی روشنی میں رسول اکرم کے ذریعے جو معاشرہ وجود میں آیا تھا اس کی نگہبانی کا فریضہ اللہ تعالی نے اولی الامر کے ہاتھوں میں سونپا ہے اور اسے بڑے وسیع اختیارات دیئے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے "**أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم**" رسول کے غیاب میں امور امت کی نگہبانی کا کام اولی الامر کے ہاتھوں میں منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا "**ولو ردوه إلى الرسول وإلى أولي الأمر منهم**" نائب رسول کی حیثیت سے خلیفہ وقت اولی الامر کا فریضہ انجام دیتا ہے اس کی حیثیت صرف نگہبانی امت کی نہیں ہوتی بلکہ رسول اکرم کے الٰہی مشن کو اپنے عہد میں آگے بڑھانے کی ذمہ داری بھی تمام تر اس کے کاندھوں پر ہوتی ہے۔ امت پر اسے وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہے اپنی سمجھ بوجھ اور مشاورت کے ذریعے الٰہی مشن کو آگے بڑھانے میں امت کی توانائی اور وسائل کو کام میں لائے حتی کہ کتاب و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے وہ کوئی ایسا کم بھی دے دے جس سے جمہور امت کو اتفاق نہ

> سمجھ میں نہیں آتا کہ ملک بھر میں مختلف خانقاہوں اور درس گاہوں میں کس بات کی بیعت لی جا رہی ہے اور یہ کہ ان حضرات کو بیعت لینے کا اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا ہے۔

> جو لوگ اس حالت میں موت کی طرف اپنے قدم بڑھا رہے ہیں کہ ان کے ہاتھ خلیفہ کی بیعت سے خالی ہیں تو دراصل وہ عالم جاہلیت میں مرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ہو، جب بھی امت پر لازم ہے کہ وہ اپنے اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے خوشدلی کے ساتھ خلیفہ کے ابرو و اشارے پر حرکت میں آجائے۔ اگر کبھی امت کے اندر کسی مسئلے پر نزاع پیدا ہو جائے اور کسی بارے میں دو یکساں معتبر رائے میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر سخت اختلاف پایا جاتا ہو تو ایسی صورت میں بھی خلیفۃ المسلمین کی رائے حتمی ہوگی۔ منصب اولی الامر کا تعلق قوت نفاذ سے ہے اور یہ صرف خلیفہ کی ذات میں پائی جاتی ہے البتہ اگر خلیفہ چاہے تو بعض معاملات میں اہل الرائے کی کسی کمیٹی کو فیصلے کا اختیار سونپ سکتا ہے لیکن جب تک خلیفہ کی طرف سے کسی شخص یا کمیٹی کو اختیار اسے تفویض نہیں ہوتے وہ بذات خود اولی الامر کے منصب پر فائز ہونے کا دعوی نہیں کر سکتا۔ حتی کہ اجتماعی امور میں اجتہادی مسائل کو بھی اعتبار اسی وقت ملے گا جب اس پر خلیفہ کے دستخط ثبت ہو چکے ہوں۔ رہے ہمارے عہد کے خود ساختہ اولی الامر جو ہر لحہ مصالح امت کے نام پر رسول اکرم کے انقلابی ایجنڈے کو منجمد کئے دینے پر مصر ہیں تو انہیں جاننا چاہئے کہ ان سے زیادہ مصالح امت کا علم اللہ اور اس کے رسول کو ہے اور یہ کہ صرف خلیفہ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مصالح امت کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرے، رہی یہ بات کہ ہر ہما شما کو اولی الامر تسلیم کر لیا جائے تو اسلامی شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی اور نہ ہی تاریخ اسلامی میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے۔

ترجیحات کا غلط تعین

ہمارے عہد میں بعض جماعتیں صرف اس فکر میں پریشان ہوئی جاتی ہیں کہ اس ملک میں انسانوں کی ایک بڑی آبادی جہنم کی راہ پر گامزن ہے۔ غافلوں تک دین کی دعوت نہیں پہنچ سکی ہے مبادا قیامت کے روز وہ ہم جنت کے باسیوں کا دامن پکڑ لیں اور ہماری جنت گرفت میں آتے آتے پھسل جائے۔ بعض لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس ملک میں لٹریچر کی اشاعت اور دعوت و تبلیغ سے نظام اسلامی کے قیام کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔

ہمارے خیال میں اس قسم کی باتیں وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں اسلامی ایجنڈے کی ترجیحات کا شعور نہ ہو۔ اگر اس ملک میں انسانوں کی ایک بڑی آبادی الٰہی پیغام سے غافل ہے تو یہ بحیثیت مسلمان ہمارے لئے یہ ایک ذاتی درد سے کہیں زیادہ اجتماعی نوعیت کا مسئلہ ہے لہٰذا اس کا Response بھی اجتماعی ہونا چاہئے۔

پھر یہ بات بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو کہ اس وقت جب امت زوال اور انتشار کے دور سے گزر رہی ہے، جب اس کا اپنا گھر آرڈر میں نہیں ہے، بنیادی اسلامی ادارے ٹوٹ پھوٹ کر منتشر ہو چکے ہیں ایسی حالت میں سب سے پہلے اس کام کو ترجیح دی جائے گی جس سے امت کے قافلے کو از سر نو منظم کرنے میں مدد مل سکے۔ اس فکر میں گھلے جانا کہ اس ملک کی کثیر آبادی تک توحید کی دعوت نہیں پہنچی ہے سرے سے انفرادی درد سرہے ہی نہیں، یہ تو خلیفہ کا درد سر ہے کہ وہ اپنے عہد کی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے امت مسلمہ کے لئے ترجیحات طے کرے جو یقیناً کتاب و سنت کی طرف سے طے کردہ ترجیحات کے تابع ہوں گی۔

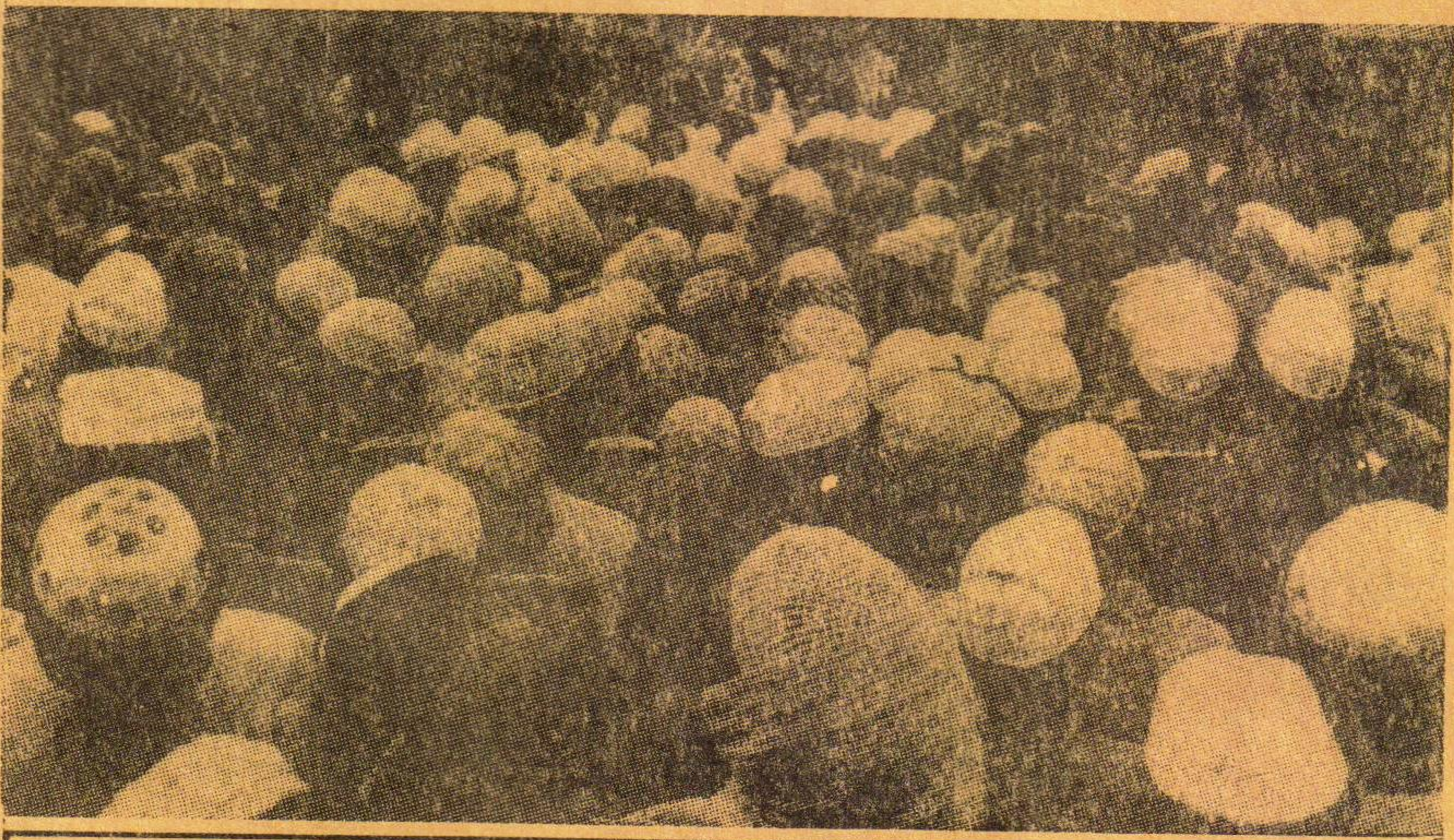
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت کیا ایسے لوگوں کی کمی تھی جنہیں پیغام ربانی کی ہوا بھی نہ لگی تھی لیکن تب بھی آپ پیغام رسانی کی شہادت لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس دعوت کی توسیع کا مزید کام آپؐ نے اپنی امت کو سونپا اور اس اطمینان کے ساتھ دنیا سے تشریف لے گئے کہ آپ کا مشن مکمل ہو چکا ہے۔ آپ کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے سب سے پہلا کام خلیفہ رسول کے انتخاب کا کیا۔ آپ کی تدفین میں تاخیر کو روا رکھا گیا لیکن یہ بات برداشت نہ کی گئی کہ امت خلیفہ یا امیر کی سرپرستی سے خالی رہے۔ صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ اگر امت کا مرکز کھو گیا تو اسلامی ایجنڈے کو آگے بڑھانے اور غافل انسانوں تک الٰہی پیغام پہنچانے کا کام رک جائے گا پھر جس کسی کو جو کچھ سمجھ میں آئے گا وہ اسے اہم ترین اسلامی ایجنڈہ سمجھ کر عمل کے لئے نکل کھڑا ہوگا۔ لوگ اپنے ارادوں میں خواہ کتنے ہی مخلص ہوں اور کتنے ہی اچھے کام لے کر کیوں نہ آگے بڑھ رہے ہوں، یہ صورت حال ایک انتشار پر منتج ہوگی اور سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ اور

جماعت کے بغیر کوئی اسلامی زندگی نہیں ہو سکتی اور چوں کہ امیر اور جماعت دونوں ہی ہماری جماعت میں موجود ہیں اس لئے آؤ ہماری جماعت میں شامل ہو کر اسلامی زندگی جینے کا مزا لوٹو۔ اس طرح ہر جماعت اپنے جماعتی دائرے کو وسیع کرنے میں کوشاں ہے۔

اجتماعی امور میں اجتہادی مسائل کو بھی اعتبار اسی وقت ملے گا جب اس پر خلیفہ کے دستخط ثبت ہو چکے ہوں۔

اس کے رسول کے بعد جس اولی الامر کی طرف مسلمانوں کو رجوع ہونا چاہئے اس کا غیاب سخت انتشار کو جنم دے گا۔ اس لئے صحابہ کرام نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آپ کے وصال سے اولی الامر کا جو منصب خالی ہو گیا تھا اسے فوری طور پر پر کرنے کے لئے بنو ثقیف میں جمع ہو گئے۔ وہاں سرے سے یہ مسئلہ زیر بحث نہ آیا کہ ابھی جزیرۃ العرب کے اطراف میں غافل انسانوں کا سمندر موجود ہے اور یہ کہ ہم سب لوگوں کو اسلام کا پیغام لے کر مختلف سمتوں میں نکل جانا چاہئے بلکہ ہوا یہ کہ ایک شخص کے کاندھے پر امارت کی ذمہ داری ڈال کر اس سے یہ کہا گیا کہ ہم سمع و طاعت کے جذبے سے آپ کا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہیں۔

فی زمانہ اگر امت مختلف محاذ پر شکستوں سے دوچار ہے، اگر اس ملک میں ایک بڑی آبادی غفلت کی زندگی گزار رہی ہے تو ایسا اس لئے ہے کہ خلیفۃ مسلمین کے غیاب کی وجہ سے اسلامی ایجنڈے کو بروئے کار لانے والی کوئی مؤثر قوت موجود نہیں۔ ذرا غور کیجئے!



محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کا ایک ہجوم اب سونیا گاندھی کے آستانے پر سر ٹکانے کو بے چین ہے

غافل انسانوں کا خیال تو آپ کو اس قدر پریشان کئے دیتا ہے لیکن آپ اس حقیقت کو بھلائے دیتے ہیں کہ خلیفہ کی موجودگی کے بغیر آپ ایک معصیت بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ صحابہ کرام اور بعد کے فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خلافت کی کرسی تین دن سے زیادہ خالی نہیں چھوڑی جا سکتی اور مستند حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ جو لوگ اس حالت میں موت کی طرف اپنے قدم بڑھا رہے ہیں کہ ان کے ہاتھ خلیفہ کی بیعت سے خالی ہیں تو دراصل وہ عالم جاہلیت میں مرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ کرنے کا سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ مرکز امت کو جلد از جلد تشکیل دیا جائے۔ بلا تاخیر خلیفہ کو ڈھونڈ نکالا جائے اس کے بعد یہ خلیفہ کا کام ہے کہ وہ اس دنیا کو اور دنیا کے باسیوں کو الٰہی ہدایات سے آشنا کرنے کے لئے مؤثر اقدامات کرے ورنہ جو لوگ خود نظام کفر کی معصیت میں لت پت ہوں وہ غافل انسانوں کے لئے کیا کر پائیں گے۔

یو این او UNO

جس میں یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکہ کا U اور ساری دنیا کے لئے NO شامل ہے

تحریر: عطریف شہباز ندوی

جب حکیم مشرق نے یہ کہا تھا کہ فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے تو شاید لوگوں کو حیرت ہوئی ہوگی کہ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر، مسولینی اور جنرل فرانکو کے ذریعہ مارے اور ستائے ہوئے مٹھی بھر یہود فرنگ کی رگ جاں پر قابو رکھتے ہیں۔ لیکن آج اس بے نقاب حقیقت سے کسی کو انکار ممکن نہیں۔ عالمی سیاسی سیناریو پر جن کی بھی نظر ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دنیا بھر کو ڈانٹ ڈپٹ کر رکھنے والے عالمی چودھری امریکہ پر بھی یہود بالواسطہ طور پر حکومت کر رہے ہیں۔ سازشی ذہنیت، سیاسی مکاری، خود غرضانہ و عیارانہ پالیسی جوڑ توڑ میں طاق، شاطر دماغ سے متصف یہ قوم اپنی نشاۃ ثانیہ کے بطل جلیل تھیوڈور ہرٹزل کے وقت سے لے کر اب تک صیہونیت، ماسونیت، لائنز کلب، روٹری کلب، عالمی بینک IMF، UNO اور ان جیسے لاتعداد اداروں و تنظیموں کے ذریعہ ہر لمحہ اور ہر آن پوری دنیا پر نظر رکھے ہوئے ہے اور عالمی یہودی غلبہ اور عظیم تر اسرائیل کے اپنے منصوبہ کی طرف نہایت تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہے۔ یو این او جیسے ادارے کے ذریعہ بالواسطہ پوری دنیا کو اپنے حصار میں لیے ہوئے یہودی دماغ اب نئے عالمی نظام کی تخلیق کے سلسلہ میں پیش قدمی کر رہا ہے۔ موجودہ دور میں یہودیوں نے اپنی عالمی طاقتوں کے واسطہ سے دنیا بھر کی سادہ لوح اقوام کے سامنے ایک کھلونا کے بطور یو این او کو رکھا ہوا ہے۔ جس طرح سے بچہ نادانی میں کھلونا کو ہی اپنی متاع زندگی سمجھتا ہے۔ اس کے چھن لینے پر بگڑ جاتا اور مل جانے پر خوش ہولیتا ہے، زندگی کے حقیقی مسائل کا اس کو علم نہیں ہوتا، مستقبل کے بارے میں کوئی تشویش نہیں ہوتی۔ ٹھیک اسی طرح سے اقوام عالم کو یو این او کا خالق یہودی دماغ اس دلچسپ کھلونے کے ذریعہ بہلاتا



ہے۔ دنیا بھر کے ممالک اس کی رکنیت پر فخر محسوس کرتے ہیں، اس کی ممبرشپ کے لئے کوشش کرتے ہیں، سفید آقاؤں کے سامنے غلاموں کی طرح بیٹھنے کے لئے پچھلی سیٹ بھی مل جانے کو سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں، اپنے مسائل کے حل کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں حالانکہ اپنی تاریخ کے آغاز سے ہی یو این او اب تک صرف مغربی آقاؤں بالخصوص امریکہ کے مفادات کا محافظ اور تیسری دنیا کے ممالک پر ان کی بالادستی برقرار رکھنے کا اہم ترین وسیلہ ثابت ہوا ہے۔

مغربی کفن چوروں کے غول نے پس ماندہ اقوام کو اپنا دست نگر بنانے اور خاص طور پر عالم اسلام کے حصے بخرے کر کے ان کی بندر بانٹ کے لیے پہلے جمعیۃ اقوام بنائی تھی جسے یہودی استادان سیاست نے جب اپنے مفادات کی رکھوالی کے لیے ناکافی سمجھا تو ختم کر دیا اور اس کی جگہ وسیع بنیادوں پر ایک نئے ادارے کو استوار کیا گیا جو ایک طرف تو ان کی امن و سلامتی اور انسانی فلاح و بہبود کے ظاہری دعووں کے لیے ایک اچھا شوکیس ثابت ہوا ہے۔ دوسری طرف خفیہ طور پر ان کے توسیعی اور جارحانہ عزائم کی تکمیل کا مضبوط ذریعہ بھی ترقی یافتہ کہے جانے والے ملکوں میں سے جب کوئی ملک غلامی کی مقدس زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے تو حقوق انسانی کے چارٹر کا پرچارک یو این او اس ملک پر مختلف پابندیاں لگا کر اس سے سرتا سر عالمی ٹھیکہ داروں اور ٹھاکروں کی بے چون وچرا اطاعت پر مجبور کر دیتا ہے۔ انجمن اقوام متحدہ ایک یہودی ادارہ ہے، یہ بات بادی النظر میں بہت سے لوگوں کو ایک مستبعد اور دور از کار معلوم ہوگی لیکن تاریخی حقائق پورے طور پر ہماری تائید میں ہیں۔ ٹیکساس کے جسٹس آرم اسٹرانگ اپنی کتاب "خائنین" مطبوعہ ۱۹۴۸ء میں پال میں منعقد صیہونی کانفرنس

کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "انجمن اقوام اور اقوام متحدہ کے قیام کا نظریہ جس کے بعد ایک عالمی صیہونی شہنشاہیت کا قیام عمل میں لایا جائے گا، اس ترتیب کے ساتھ مذکورہ کانفرنس میں زیر بحث لایا گیا تھا۔ فری میسن تحریکات کے عالمی اجلاس منعقدہ ۱۹۱۷ء میں بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ "کامیاب اور روشن صیہونی مستقبل کی تشکیل کے ہم یہاں اکٹھا ہوئے ہیں، ہم نے اس جنگ (پہلی جنگ عظیم) کو منظم جمہوریتوں اور طاقت ور فوجی قوتوں کے مابین ایک خوفناک آتش فشاں میں تبدیل کر دیا ہے، جس کے لاوے سے قدیم شہنشاہیوں کا کس بل نکل چکا ہے اور باقی ماندہ حکومتوں کو بھی جمہوریت و آزادی کی ہوائیں بکھیر کر رکھ دیں گی۔ اب وقت قریب آگیا ہے کہ ایک عالمی سلطنت کے قیام کا بگل بجا دیا جائے جس کے لیے امن و سلامتی کی علمبردار ماسوئیت انجمن اقوام کی تشکیل کا نظریہ پیش کرے گی۔ خود یہودی بغیر کسی تردد کے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ اور اس کے تئیں انجمن اقوام کی تشکیل کے پیچھے دراصل انہیں کا ذہن کام کر رہا تھا۔ چنانچہ فری میسن یہودی لیفھوف جریدہ وائز فریمور کے شمارہ نمبر ۶۔ ۱۹۴۲ء میں یہ اعتراف کرتا نظر آتا ہے کہ "جو لوگ فری میسن اور انجمن اقوام کے مابین روابط کی نشاندہی کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے کیونکہ انجمن اقوام کا تخیل فری میسن کی تعلیمات و افکار سے ہی ماخوذ ہے۔ (ایضا)

نیز صیہونی لیڈر ناحوم سوکولف نے کارلباد کے اندر ۱۹۲۲ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں انجمن اقوام کے قیام کے سلسلہ میں اپنے کردار کی توجیہ کرتے ہوئے کہا تھا "عالمی امن کی خاطر ۲۵ سال کی لگاتار کوششوں کے بعد ہم اس انجمن کے قیام میں کامیاب ہوئے ہیں۔ کسی دن عالمی امن و سلامتی کا مرکز یوروشلم کو بنانے کا ہمارا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہوگا۔ ہماری اس کامیابی کا سہرا ہمارے زندہ جاوید قائد تھیوڈور ہرزل کے سر جاتا ہے (ایضا) پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ انجمن یہودیوں کی نظر میں اپنا Relevance کھو چکی تھی اور اب انہوں نے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا تھا۔ فلسطین میں ایک آزاد یہودی ریاست کے قیام کا صیہونی منصوبہ تیار کر لیا گیا تھا۔ اب ضرورت تھی کہ جھوٹ کو سچ اور غلط کو صحیح ثابت کرانے کے لئے انجمن اقوام کے بعد اب ایک اور

جب حکیم مشرق نے یہ کہا تھا کہ فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے تو شاید لوگوں کو حیرت ہوئی ہوگی کہ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر، مسولینی اور جنرل فرانکو کے ذریعہ مارے اور ستائے ہوئے مٹھی بھر یہود فرنگ کی رگ جاں پر قابو رکھتے ہیں۔ لیکن آج اس بے نقاب حقیقت سے کسی کو انکار ممکن نہیں۔

کٹھ پتلی عالمی ثالث کو وجود میں لایا جائے چنانچہ یہود و نصاریٰ کی انہیں متحدہ کوششوں کا ثمرہ اقوام متحدہ کی شکل میں سامنے آیا، جس نے اپنے قیام کے اول روز اپنے جنم داتا سے یہود کی منہ بھرائی اور مغربی شاطروں کے مفادات کے تحفظ کا کامل سعادت مندی کے ساتھ خیال رکھا جہاں کہیں اس نے بظاہر ایک مضبوط موقف اختیار کرنے کا مظاہرہ کیا، وہاں ویٹو کے ذریعہ اسے اس کے فطری حدود یاد دلادئے گئے۔ فلسطین کا مسئلہ ہو یا لبنان پر اسرائیل جارحیت کا معاملہ، بوسنیا و کوسوو کا خون آشام ڈرامہ ہو یا اراکان میں بہتے مسلم خون کی ارزانی، لبنان میں قانا پر اسرائیلی فوجیوں کے ذریعہ معصوم شہروں کا قتل عام ہو یا صبرا اور شانیلہ اور حرم ابراہیمی میں جرم ضعیفی کی سزا میں مارے گئے بے قصور فسلطینی عوام پر مظالم کے ہوش ربا مناظر، عراق کو بھوکوں مارنے کا منصوبہ عربوں کی گردنوں پر جبرا امریکی تسلط کا تھوپا جانا، ملیشیا اور انڈونیشیا کی معاشیات کو تاراج کرنے کی سازش ہو یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رشدی جیسے فتنوں کو بتدریج ابھارتے رہنا، ان تمام تر مسائل میں اقوام متحدہ کے کردار کو تلاش کیجئے تو اس کی حیثیت یہودیوں کی چاکری کرنے والی ایک خوش نما انجمن کی ہے جس کا ریموٹ کنٹرول یہودیوں اور ان کی عالمی طاقتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ تیسری دنیا بالخصوص عالم اسلام کے مجبور و مقہور عوام اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ ان کے حکمرانوں کی اکثریت اسی نسل سے تعلق رکھتی ہے، جسے مغرب نے پال پوس کر بڑا کیا ہے اور اپنے مخصوص اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے ان کا کرسی اقتدار پر متمکن رہنا ضروری سمجھتا ہے۔ دوسری طرف عوامی بیداری اور عتاب سے خوف زدہ یہ حکمراں بھی اقتدار کی قسمت اپنے عوام کے فیصلہ کے بجائے مغرب کی وفاداری سے وابستہ کئے ہوئے ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے رہنے میں ہی انہیں اپنی زندگی نظر آتی ہے۔



اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

امیر الاسلام ہاشمی

دہقان تو مَر کھپ گیا اب کس کو جگاؤں
ملتا ہے کہاں خوشہ گندم کہ جلاؤں
شاہین کا ہے گنبد شاہی پہ بسیرا
کنجشکِ فرومایہ کو اب کس سے لڑاؤں
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

ہر داڑھی میں تنکا ہے ہر اک آنکھ میں شہتیر
مومن کی نگاہوں سے بدلتی نہیں تقدیر
توحید کی تلوار سے خالی ہیں نیامیں
اب ذوقِ یقیں سے نہیں کٹتی کوئی زنجیر
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

ہاتھوں میں یہاں سب کے ہے فولاد کی تلوار
ہے کند مگر فقر کی شمشیر جگر دار
قرآں بھی وہی ہے وہی یاسیں وہی طٰہٰ
لیکن کوئی خالد ہے نہ اب حیدرِ کرار
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

شاہیں کا جہاں آج ممولے کا جہاں ہے
ملتی ہوئی ملا سے مجاہد کی اذاں ہے
مانا کہ ستاروں سے بھی آگے ہیں جہاں اور
شاہین میں اب طاقتِ پرواز کہاں ہے
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

مر، مر کی سلوں سے کوئی بے زار نہیں ہے
رہنے کو حرم میں کوئی تیار نہیں ہے
کہنے کو ہر اک شخص مسلمان ہے لیکن
دیکھو تو کہیں نام کو کردار نہیں ہے
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

بیباکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے اب کھاتا ہے مومن
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

پیدا کبھی ہوتی تھی سحر جس کی اذاں سے
اس بندہ مومن کو میں اب لاؤں کہاں سے
وہ سجدہ زمیں جس سے لرز جاتی تھی یارو
اک بار تھا، ہم چھٹ گئے اس بارِ گراں سے
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

بہتا ہے علاقائی تعصب کا وہ دھارا
نفرت کو جنم دیتا ہے ہر کھیت ہمارا
اقبال نے جس مٹی کو زرخیز کہا تھا
وہ آج ذرا نم ہو تو بن جاتی ہے گارا
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

محمودوں کی صف آج ایازوں سے پرے ہے
جمہور سے سلطانی جمہور ڈرے ہے
تھامے ہوئے دامن ہے یہاں پر جو خودی کا
مر، مر کے جیئے ہے کبھی، جی جی کے مرے ہے
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

دیکھو تو ذرا محلوں کے پردوں کو اٹھاکر
شمشیر سناں رکھی ہیں طاقوں میں سجاکر
آتے ہیں نظر مسندِ شاہی پہ رنگیلے
تقدیرِ امم سوگئی طاؤس پہ آکر
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

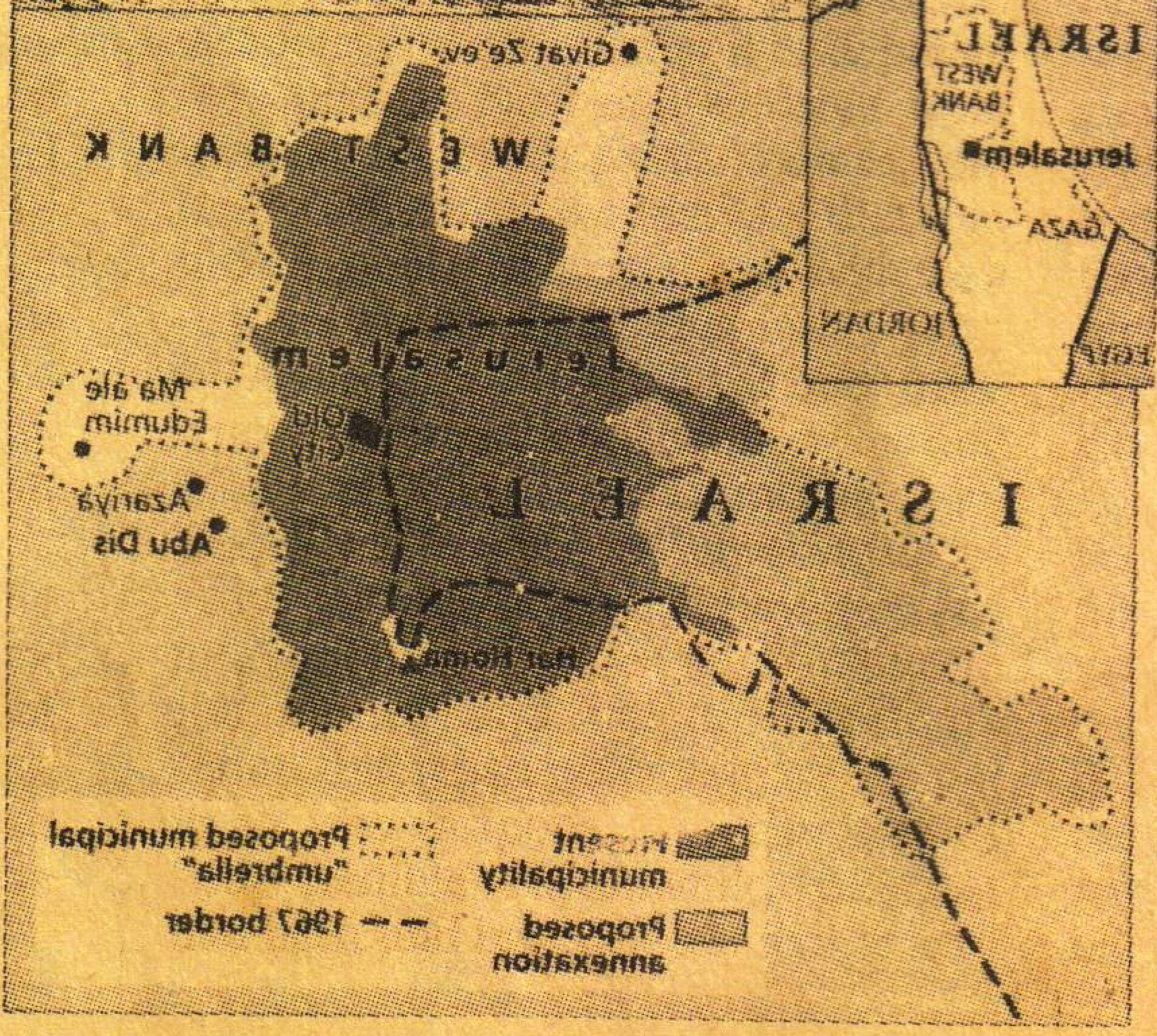
یروشلم کی جغرافیائی حیثیت بدلنے کی اسرائیلی سازش

مسئلہ فلسطین کو معلق رکھنے کا ایک اور بہانہ

اگر مشرق وسطی میں امن کی امید کی کرن کو روشن رکھنا ہے تو یروشلم کی حدود کی توسیع کی اسرائیلی پالیسی سخت امریکی اقدام کی طالب ہے۔ غالباً مشرق وسطی کے مسائل کے درمیان یروشلم ہی ایک ایسا موضوع ہے جسے یہ کہہ کر پس پشت ڈالا جاتا رہا ہے کہ جب دیگر معاملات سلجھ جائیں گے تو یروشلم کا قضیہ اپنے آپ حل ہو جائے گا۔

اسرائیل اور فلسطین دونوں کے نزدیک ان کے دارالخلافہ کی حیثیت رکھنے والے شہر یروشلم کے مستقبل کے بارے میں اگر اسرائیلی بالادستی کے زعم میں یک طرفہ فیصلہ کیا گیا تو امن معاہدے کے امکانات ہی ختم ہو جائیں گے۔





۱۹۹۳ کے معاہدہ اوسلو پر عمل کرتے ہوئے یہ درست ہے کہ اسرائیل کی سیاسی حیثیت تبدیل نہیں کی جائے گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسرائیل اپنا مقصد یروشلم کی ڈیموگرافی کی تبدیلی کے ذریعے حاصل کرنے کے درپے ہے۔ ابھی ڈیڑھ سال پہلے ایک عرب علاقے میں یہودی کالونی بسانے کے اسرائیلی اقدام پر امن مذاکرات میں تعطل آگیا تھا اور امریکہ ابھی اس خاموشی کو توڑنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اسرائیلی کیبنیٹ نے یروشلم کی میونسپل حدود کی توسیع کے ابتدائی منصوبے کی منظوری دے دی۔ اس سوال پر کہ کیا ابھی امن کوششوں کا کوئی پہلو ایسا ہے جس کی حفاظت مقصود ہو تو اسرائیل اس سوال کو مزید پریشان کن بتاتے ہوئے مغربی کنارے سے جزوی انخلاء کی امریکی تجویز پر رائے شماری پر غور کر رہا ہے اور اس پر نتن یاہو اپنی شدت پسند کابینہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ اس اصول کے پیش نظر کہ قبضہ قانون کا نواں حصہ تصور کیا جاتا ہے، مسٹر نتن یاہو فلسطینیوں پر تکیہ کیے ہوئے ہیں جو امن مذاکرات کے نامساوی شریک ہیں اور جن کے پاس اسرائیلی حکومت کی ریزہ چینی کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اسرائیل کو یہ باور کرائے بغیر کہ اب کسی اسرائیلی پر کوئی فلسطینی کبھی حملہ آور نہیں ہو گا شاید ان کے لیے ریزے بھی باقی نہ رہیں۔ یہ حفاظتی امن کے بدلے زمین کی اصل سودے بازی کا اٹوٹ حصہ بن گیا ہے۔

سرحدی حفاظت اور کنٹرول پر جوں جوں اسرائیلی حکومت کا زور بڑھا ہے اسی طرح فلسطینیوں میں ناامیدی اور اسرائیل کی مخالفت کے رجحانات میں بھی تیزی آئی ہے اور آئی ایم ایف کے مشرق وسطی کے شعبے کی رپورٹ کے مطابق امن مذاکرات میں تعطل کے نتیجے میں مغربی کنارے اور غزہ پٹی کے علاقوں میں اقتصادی حالت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔

اب اسرائیلیوں کے سامنے دو راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو وہ انتفاضہ تحریک کو مزید طاقتور بنائیں جو ایک سنگین مسئلہ ہے یعنی کہ غلیل اور پتھر کی جگہ خودکار اسلحے مہیا کیے جائیں۔ یا پھر وہ عالمی رائے کی طرف رجوع کریں جس کا بیشتر حصہ اسرائیل کی مذمت کر رہا ہے اور جو مذاکرات میں ان کے موقف کو استحکام بخش سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکی مداخلت کا ہاتھ اسرائیل کو مذاکرات کی میز تک لانے میں ہے لیکن اس کا اثر اتنا نہیں ہے کہ اسرائیلی حکومت پر اپنے رویے میں ایسی تبدیلی لانے پر زور ڈالے جس سے امن کے امکانات واضح ہوں۔

اسرائیلی امن پسند خیمے کی غفلت شعاری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یروشلم کو مغرب میں توسیع دینے کے عنوان سے دراصل مشرق کی طرف توسیع کی اسرائیلی

کارروائی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس اقدام کے خلاف مظاہرین کا کہنا تھا کہ شہر کے مغرب میں آباد متمول اور پرسکون بستیاں بڑے شہر کی خرابیوں کی نذر ہو جائیں گی لیکن تن یاہو کی طرف یہی وضاحت پیش کی گئی کہ یہودی بستیوں کو Jerusalem Umbrella Municipility کے تحت لانے سے امن کوششوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا حالانکہ اس کی سنگینی کا اندازہ اس وقت ہو گیا جب واشنگٹن، یوروپ کی راجدھانیوں اور عالم عرب سے پھٹکار پڑنی شروع ہوئی۔ پھر اس کی ایک توجیہ یہ پیش کی گئی کہ یروشلم کے میر کو شہر کے محصول کے خزانے کو بڑھانا مقصود ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ٹیکس دہندگان کی تعداد میں اضافہ ہو۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میر موصوف کو وہاں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی فکر بے چین کیے دیتی ہے۔ تقریباً پچیس ہزار یہودی بستیوں کو یروشلم میں شامل کرنے کی تجویز کا اصل مقصد یہ ہے کہ جب اس کے سلسلے میں کسی مستقل حل کے بروئے کار لانے کی نوبت آئے اور اس پر گفتگو شروع ہو تو یہودی آبادی کے تناسب کا پانسہ پھینکا جائے۔

مغربی کنارے پر یروشلم کو مشرق اور شمال میں وسعت دینے کے منصوبے کی مخالفت بہت کم ہے۔ یہ ضرور ہے کہ کابینہ کے بعض متشدد ممبران نے بھی یہ شکایت کی ہے کہ دو بستیوں معل ایدومین اور جیوات الزیف جن کی آبادی بالترتیب ۲۳۰۰۰ اور ۹۰۰۰ ہے کو ایک نئے میونسپل انتظامیہ کے تحت لانے کے بارے میں وزیر اعظم کا عوامی وضاحت اس موضوع پر کسی ان کے حتمی طور پر کسی فیصلے کے تصور کو دھندلا کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یروشلم کے میر کی نگرانی میں ایک نئی

تقریباً پچیس ہزار یہودی بستیوں کو یروشلم میں شامل کرنے کی تجویز کا اصل مقصد یہ ہے کہ جب اس کے سلسلے میں کسی مستقل حل کے بروئے کار لانے کی نوبت آئے اور اس پر گفتگو شروع ہو تو یہودی آبادی کے تناسب کا پانسہ پھینکا جائے۔

پلاننگ اتھارٹی قائم کی جائے اور علاقائی منصوبہ بندی کے وہ اختیارات اسے دے دیے جائیں جو پہلے فوج کے ہاتھ میں تھے۔

اس منصوبے سے معاہدہ اوسلو کی خلاف ورزی ان معنوں میں ہو رہی ہے کہ اس سے ایک طرفہ طور پر یروشلم شہر اور قریبی بستیاں دونوں کی حیثیت تبدیل ہو رہی ہے۔ فلسطینیوں کو یہ خوف لاحق ہے کہ مذکورہ دونوں بستیوں کو اپنے سائے میں لینے والی "میونسپلٹی چھتری" جلد ہی قریبی بستیوں پر بھی اپنا سایہ ڈالنے لگے گی اور شہر کے مشرقی حصے کو اس کے داخلی فلسطینی علاقے سے منقطع کر دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ فلسطینیوں نے شہر کے جنوب مشرقی محیط پر حرۃ الحمی کے مقام پر اسرائیلی کالونی آباد کرنے کے اسرائیلی منصوبے کی مخالفت کی۔

ان معاملات کو اقوام متحدہ میں لے جانے کی فلسطینی کوشش کے جواب میں تن یاہو یہی کہتے ہیں کہ اس سے امن مذاکرات متاثر ہونگے جبکہ یہ مذاکرات آگے بھی نہیں بڑھ رہے ہیں کیونکہ تن یاہو نے مغربی کنارے سے انخلاء کی امریکی تجویز پر رائے شماری کرانے کا شوشا چھوڑ کر وقت برباد کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ لیا ہے۔

غیر ارضی مخلوق اہل زمین کی جاسوسی کر رہی ہے

ہندوستان میں اس جاسوسی کے آغاز کا امکان ۱۱ مئی ۱۹۹۸ کو ہندوستان کے نیوکلیائی تجربہ پر پولس مین کی طرح نظر رکھنے والا امریکہ فوراً اس پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنے پر کمربستہ ہوگیا۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ اس پوری دنیا پر خاموشی نگاہ رکھنے والا پولس مین بالا ہی بالا ہماری نقل و حرکت کو ریکارڈ کر رہا ہو اور یہ ایسے اجنبی ذی روح ہوں جو ہم انسانوں سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ بھی ہو۔ یہ بات کسی فنتاسی کم نہ لگے گی لیکن ایسے ہزاروں افراد ہمارے درمیان آج ہیں جن کا ان غیر ارضی جاسوسوں سے سابقہ پڑ چکا ہے اور جن کا کہنا ہے کہ یہ اجنبی نفوس زمین کو خود ہلاکتی سے محفوظ رکھنے کیلیے یہاں اترے ہیں۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری بڑھتی ہوئی نیوکلیائی ٹیکنولوجی اور ہزاروں ناقابل شناخت اڑنے والی اشیاء یا اڑن طشتریوں کے درمیان کوئی ارتباط ضرور ہے۔ اس طرح کی اشیاء ۱۹۴۷ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکی بمباری کے بعد سے دیکھی جانے لگیں۔ ان میں سے بعض کو حتمی طور پر موسمی غبارے یا قریب ترین سہارے کے نظر آنے سے تعبیر کیا گیا لیکن بیشتر آج بھی معمہ بنی ہوئی ہیں اور انھیں دوسری دنیاؤں سے آئے ہوئے رتھ تصور کیا جاتا رہا ہے جو زمین پر تجربات کرتے اور ہم انسانوں پر نگاہ رکھے رہتے ہیں۔



امریکہ کے ایف بی آئی کے زیر اہتمام ایسی محیر العقول اڑن طشتریوں کے ظہور کے سلسلے میں تفتیش کے نتیجے سے معلوم ہوا کہ بعض شاہدین نے اجنبی مخلوق سے حقیقی جسمانی نبرد آزمائی کا دعوی کیا اور یہ کہ مؤخر الذکر نے نیوکلیائی اسلحے کے میدان میں زمین پر ہونے والی ترقیات پر تشویش کا اظہار کیا۔ ان شاہدین نے یہ بھی بتایا کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی کے بعد ان اشیاء کا ظہور یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اہل زمین کو نیوکلیائی اسلحوں کی تباہ کاری سے خبردار کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ زیادہ تر اڑن طشتریاں امریکہ فضائی ٹھکانوں کے گرد و پیش ہی منڈلاتی دیکھی گئی ہیں اور انھیں دیکھنے والوں میں کثیر تعداد امیر افسروں کی ہے جن کی ذہنی اور جسمانی چستی ان سے کسی جھوٹ کی اختراع کے امکان کو مسترد کرتی ہے۔ ایف بی آئی نے ایسی تفصیلی فائلیں تیار کروائی ہیں جس میں اجنبی نفوس اور زمینی انسانوں کے درمیان تصادم کی روداد درج ہے اور جس رابطے میں آنے والے شخص کے ذریعے فوجی حکام کو اجنبی نفوس کا پیغام بھی دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں نیکلسن ریڈمزن نے ایک نئی کتاب "دی ایف بی آئی فائلز" ایف بی آئی کے ریکارڈ شدہ تصادمات کا بھی ذکر کرتی ہے۔

مثال کے طور پر ۲/اکتوبر ۱۹۷۳ کو ارجن ٹائنا کے باہیا بلنکا مقام پر ڈایو بنسو لانکا نامی لاری ڈرائیور کو ایک سگار نما خلائی گاڑی نے روکا اور اس کے سامنے دو انسان نما مرد اور ایک عورت نمودار ہوئے جنہوں نے بتایا کہ وہ زمین پر ۱۹۵۰ سے موجود ہیں اور خبردار کیا کہ اگر زمینی مخلوق کی موجودہ سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں تو اس کے نتائج بہت سنگین ہوں گے۔ ایٹم بم اور ماحولیاتی آلودگی کے خطرات سے بھی انھوں نے لانکا کو آگاہ کیا۔

اڑن طشتری کے ماہر وان ڈبلیو سٹل نے جو کالج آف یونیورسل وزڈم کے بانی بھی ہیں اپنی یکم دسمبر کی یادداشت میں تحریر کیا ہے کہ انھیں غیر ارضی نفوس کی طرف سے ایک پیغام ۶/دسمبر ۱۹۳۵ء کو موصول ہوا تھا۔ اس پیغام میں Schare کے خلائی اسٹیشن کے کمانڈنٹ کی طرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ ڈیٹن رو ہو میں ورائٹ پیٹرسن ایر فورس اڈے ایر فورس انٹلی جنس آفس سے رابطہ قائم کیا جائے اور انھیں یہ بتایا جائے کہ دفاعی اور جارحانہ دونوں طرح کی جنگوں کے لئے اس وقت تیار کیے گئے مہلک منصوبے پوری طرح ان کے علم میں آچکے تھے اور اگر حالات کا تقاضہ ہوا تو اس جنگ میں حصہ لیں گے تاکہ نظام شمسی کی حفاظت کی جاسکے۔

۱۹۵۰ء کے وسط کا واقعہ ہے کہ ایک نامعلوم عورت نے ۱۵۰ میل چوڑے، دو سو میل لمبے اور سو میل گہرے دو خلائی جہازوں سے پیغامات وصول کرنے کا دعوی کیا۔ ۴۔۷، اور ۱۱، سے موسوم ان دونوں خلائی جہاز کی قیادت بالترتیب یورینس سیارے کا باشندہ انا اور ہتان سیارے کا باسی پونا کر رہے تھے۔ یہ دونوں قائد زمین کی میکنیٹک فیلڈ، ایٹم بم، ہائیڈروجن اور دیگر اسلحوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے

مذکورہ عورت سے رابطہ قائم کرتے رہتے ہیں۔

۱۷/اپریل ۱۹۶۰ء ڈبلیوں وان ٹسل نے ایک لکچر میں اعتراف کیا کہ خلائی مخلوق کو ایٹم بموں سے گہری تشویش لاحق تھی کیونکہ ایٹمی دھماکوں نے زمین کی گردش کو متاثر کیا تھا اور شمالی افریقہ میں فرانسیسی ایٹمی دھماکوں سے زلزلے تک آئے تھے۔ انھوں نے یہ انکشاف بھی کیا ایسے دھماکے زمین کو ایک اور قطب کیطرف لیجارہے ہیں اور یہ انسانی زندگی کو خطرے میں مبتلا کرنیوالی تبدیلی ہے۔ خلائی مخلوق انھیں زمینی نفوس کی مدد کریگی جنھوں نے زمین کی قطبی تبدیلی کے دوران قدرت کے سنہری اصول پر عمل کیا جبکہ باقی افراد کو وہ فنا ہونے کیلیے چھوڑ دیگی۔ یہاں مذکور چار مثالوں کے علاوہ غیر شناخت شدہ اڑنے والی اشیاء امریکی ایٹمی توانائی کی تنصیبات کے اردگرد ہی دیکھی گئی ہیں اور ایر فورس عہدیداروں نے ایف بی آئی کو پیش کی گئی اپنی رپورٹوں میں ان اشیاء کو "ہرے رنگ کی آگ کے گولے" قرار دیا ہے۔

اپنی کتاب میں ریڈمزن نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ نیوکلیائی طاقت کے میدان میں نووارد ممالک کو ان ہرے رنگ کے آگ کے گولوں کی حمایت حاصل رہے گی جو فوق ارضی نگہبان کی حیثیت سے کسی بھی نیوکلیائی خطرے پر نظر رکھیں گے۔ ان کے خیال میں ان اشیاء کا بار بار ظہور نیوکلیائی تصادم کے بڑھتے ہوئے خطرے کی بناء پر ہو رہا ہے۔ اگر کرہ ارض کی جاسوسی دیگر سیاروں سے تعلق رکھنے والی کوئی ایجنسی کر رہی ہے تو اس سے دو نکتے اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ ہندوستانی نیوکلیائی

یہ امکان اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ ہمارے نظام شمسی کے علاوہ دیگر نظاموں میں بھی انٹلی جنس کا وجود ہے

تجربے اس کی نگاہ سے بچے ہوئے نہیں ہیں اور مستقبل قریب میں ہندوستان میں بھی Unindentified flying objects نمودار ہونے لگیں گے۔ یہ امکان اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ ہمارے نظام شمسی کے علاوہ دیگر نظاموں میں بھی انٹلی جنس کا وجود ہے اور خلاء میں کم از کم بارہ ستارے ایسے ہیں جن کے اپنے سیاراتی نظام ہیں اور ۱۹۸۹ء کے بعد سے زحل سے ملتی جلتی بڑی دنیاؤں کی دریافت ہو چکی ہے اور فلکیاتی معیار کے مطابق وہ سب سورج سے قریب بھی ہیں۔

اگر دیگر سیاروں کے جاسوس واقعی زمین کا رخ کر چکے ہیں تو یہاں آنے کا کوئی مقصد ضرور ہوگا اور جب ایسا ہے تو وہ زمین پر ہونے والے واقعات سے واقف ہوں گے اور جیسا کہ وہ اہل زمین کو ہلاکت کی طرف قدم بڑھانے سے خبردار کر چکے تھے جب اسے تباہی کے منہ میں جاتا ہوا دیکھیں گے تو مداخلت سے باز نہیں آئیں گے۔ اس طرح ایک دن وہ بھی آسکتا ہے جب اہل زمین اور غیر ارضی مخلوق اور ان کے جاسوسوں سے براہ راست کے درمیان براہ راست تعامل ہونے لگے گا۔ ہندوستان اپنی تازہ ترین نیوکلیائی حیثیت میں غیر ارضی اجنبی مخلوق کی سیرگاہ بن سکتا ہے۔ ▭

بقیہ: مقروض ہوں، مکان بیچنا چاہتا ہوں

دیکھ بھال اور پانچ بیٹوں کی پرورش کیسے کروں؟

نور محمد۔ ممبئی

جواب کسی پریشانی میں مبتلا شخص کے لیے ہوش و حواس درست رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اس پر ایمان نہ رکھے کہ دنیا کی تمام آزمائشیں من جانب اللہ ہیں، وہی ان کا ٹالنے والا ہے اور وہی بیماری سے شفا اور پریشانی سے نجات دینے والا ہے۔ اللہ کی قدرت پر یہ ایمان بذات خود صبر اور اطمینان کا ایک بڑا سرچشمہ ہے۔ جہاں تک کسی نقصان کے صدمے کا تعلق ہے تو اس کی نفسیات یہی ہے کہ انسان کا دل دنیا کی تمام رونقوں کی طرف سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔ چوں کہ کھانے پینے میں کوئی رغبت باقی نہیں رہ جاتی، جسم لاغر ہوتا جاتا ہے، اعصاب مضمحل ہونے لگتے ہیں اور اس سے دماغی فعل متاثر ہوتا رہتا ہے۔ پھر مستقل ایک اضطراب اور بے چینی کی کیفیت ڈیرہ جما لیتی ہے۔ ایک دو سال تک یہ کیفیت قائم رہے تو نفسیاتی معالجے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

جب ہم کسی نقصان پر زبان سے کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں تو اس کے مفہوم پر ضرور غور کرنا چاہیئے کہ دنیا میں جو نعمتیں بشمول آل اولاد کے ہمیں یسر آتی ہیں ان کا ملنا اور ان سے محروم رہنا یا ان کے ملنے کے ساتھ کسی پریشانی کا لاحق ہو جاتا۔ ان سب میں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ اگر یہ عقیدہ آپ کے دل میں راسخ ہوتے تو اس نقصان پر انہیں جلد صبر آجاتا اور وہ ذہنی کیفیت نہ پیدا ہوتی جواب ہے۔ اسی سے مربوط یہ احساس بھی ہے کہ بیٹی سے پہلے جو پانچ بیٹے اللہ نے ہاتھ پیر سے صحیح سالم آپ کو عطا کیے، ان پر وہ اللہ کا شکر بجالاتیں اور بیٹی کی تیمارداری کے ساتھ بیٹوں کی تربیت اور پرورش کرتیں۔ آپ کے لیے واقعی یہ بڑا صبر آزما مرحلہ ہے۔

بیوی کو کسی اچھے نفسیاتی معالج کے پاس لے جائیں، انشاء اللہ چند ماہ کے علاج سے ان کی حالت میں افاقہ رونما ہونے لگے گا۔ رفتہ رفتہ انھیں بیٹوں کی طرف متوجہ کریں اور ذکر و اوراد کی طرف لگائیں تاکہ ان کا غم ہلکا ہو سکے۔ بیٹوں کو خاص طور پر سمجھائیں کہ وہ اپنی معذور بہن کے ساتھ درشتی سے نہ پیش آئیں اور ہر ممکن طور پر ماں کی معاونت کریں تاکہ ماں کو ان بیٹوں کی اہمیت کا کسی قدر احساس ہو سکے۔ علاج اور عقلی تدابیر کے ساتھ اللہ سے استعانت اور دعا کی کثرت جاری رکھیں۔ آپ کے حالات میں ضرور بہتری آئے گی۔ ▭

یوروپ کے عین قلب کوسووو میں

اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہونے کو ہے

کل تک جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مغرب کی بالادستی کو اب چیلنج کیا جانا ممکن نہیں، کفر کی طاقتیں اب اتنی مستحکم ہوگئی ہیں کہ دوبارہ دنیا میں قوت کا نیا میزانیہ تشکیل دیا جانا ممکن نہیں، انہیں اب یہ بات بہت آسانی سے سمجھ میں آنے لگی ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی سیاسی قوتیں اپنے اندرونی تضادات اور کمزور انقلابیوں کے مضبوط عزم کی وجہ سے پاش پاش ہو سکتی ہیں۔ کسے معلوم تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی فوجی قوت سوویت یونین منتشر افغانیوں کے مقابلے کی تاب نہ لاکر پاش پاش ہو جائے گی اور کسے معلوم تھا کہ سوویت یونین کے کھنڈر سے وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں دوبارہ دنیا کے نقشے پر طلوع ہو جائیں گی بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر بلقان کے خطے میں اسلامی بیداری کی تحریک چل پڑے گی۔ مسلمان اپنی اسلامی شناخت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان خطوں میں جہاں عرصہ پہلے ترکی خلافت کو پسپائی اٹھانی پڑی تھی، اب بلقان کے انہیں خطوں بوسنیا اور کوسووو میں دوبارہ اسلامی حکومت کے قیام کی خواہش ایک عسکری جدوجہد کا رنگ اختیار کرلے گی لیکن تاریخ کا یہ بھی عجیب ماجرا ہے کہ بلقان کے دبے کچلے، بے بس مسلمان جو صدیوں سے سرب جارحیت کی زد میں ہیں، ان کے اندر اسلام کی طرف واپسی کی تحریک نے عسکری جدوجہد کا رخ اختیار کرلیا ہے۔

بلقان سے ترکوں کی پسپائی کے بعد بیشتر مسلمان یا ترک علاقوں میں ہجرت کر گئے۔ مسلم اکثریت علاقوں میں جو لوگ بچ گئے ان کے ذہنوں سے رفتہ رفتہ یہ تصور بھی محو ہو گیا کہ وہ کسی بین الاقوامی امت کا حصہ ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حلال و حرام کی تمیز جاتی رہی، غیر مسلم قوموں کے ساتھ شادی بیاہ کا سلسلہ چل پڑا اور یہ کہنا مشکل ہو گیا کہ بلقان کے باقی ماندہ مسلمان اسی امت کا حصہ ہیں جس کے پاس ایک منفرد سیاسی ایجنڈا موجود ہے۔ لیکن اسی مایوس کن صورت حال میں اللہ تعالی نے چند لوگوں کو یہ توفیق دی کہ وہ منتشر امت کی شیرازہ بندی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

بوسنیا کے موجودہ صدر علی جاہ عزت بیگووچ کی قیادت میں اسلامی بیداری کی جو تحریک شروع ہوئی تھی اس نے نہ صرف یہ کہ مسلم مملکت بوسنیا کے قیام کو ممکن بنایا بلکہ اس خطے میں موجود مسلمانوں کو اس جدوجہد میں ایک ماڈل ہاتھ آگیا۔ نئی نسل کو یہ محسوس ہوا کہ ہمارے حالات خواہ کتنے خراب کیوں نہ ہوں اگر ہم اللہ کے سہارے اپنی حالات کو درست کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو اسلام دشمن حکمرانوں کی کوئی قوت اور مغرب کے عیار سیاست دانوں کی کوئی سازش ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ بوسنیا کے بعد اب کوسووو بھی اسی راستے پر چل نکلا ہے۔ مغرب خائف ہے کہ اگر بلقان کے مسلم علاقے خودمختاری کے راہ پر چل نکلے تو یورپ کے نقشے کو موجودہ صورت میں برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا اس لئے کہ جغرافیائی اور عددی اعتبار سے بلقان انتہائی اہم علاقہ ہے۔ معاملہ بوسنیا کا ہو یا کوسووو کا یا البانیہ میں اسلام کی نئی شیرازہ بندی کا ہو، ان سب باتوں سے یورپ میں اسلامی خطرے کا اضافہ ہوتا ہے۔ جو یورپ اب تک اپنی یونین میں ترکی کو رکنیت دینے سے انکار کرتا رہا ہے اس کے لئے یہ بات کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے کہ یورپ کے عین قلب میں آزاد مسلم ریاستیں وجود میں آجائیں اور وہ بھی ان مسلمانوں کی ریاستیں جنہیں مسلح جدوجہد کا تجربہ ہو اور جہاں مسلم نوجوان ہر قیمت پر اپنی اسلامی تشخص کو برقرار رکھنا چاہتے ہوں۔ مغرب کی اسی خوف نے اسے بلقان میں کوئی واضح پالیسی اختیار کرنے سے روک رکھا ہے۔



آپ کو یاد ہوگا کہ جب بوسنیا میں مسلمانوں اور سربوں کے درمیان جنگ عروج پر تھی اور جب آئے دن ایک نئے مسلم شہر کے سقوط کی خبر آتی رہتی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے اب بوسنیا کا چراغ گل ہونے کو ہے، اس وقت تک مغرب کے ایوانوں میں عام خاموشی کا ماحول رہا۔ کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ بوسنیا میں مسلمانوں کے قتل عام کو روکنے کے لئے سامنے آتا۔ مغرب میں پالیسی سازوں کے درمیان اس

بات پر عام اتفاق رائے پایا جاتا تھا کہ بلقان میں کسی خود مختار مسلم ریاست کے قیام کا موقع نہ دیا جائے۔ سرب سمجھتے تھے کہ بلقان میں مسلمانوں کے مسئلے کا صرف ایک حل ہے اور وہ یہ کہ انہیں یا تو قتل کر دیا جائے یا انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔ کوئی ڈیڑھ ملین مسلمان ملک چھوڑ کر غیر ممالک میں پناہ گزیں ہو گئے اور تقریباً تین لاکھ مسلمانوں نے شہادت کی راہ اختیار کی اور کوئی پچاس ہزار سے زائد مسلم بہنوں کو اپنی عصمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ زیپا اور سربنیکا کے سقوط کے بعد تو واضح طور پر ایسا لگنے لگا تھا کہ اب بوسنیا کا چراغ گل ہونے میں چند لمحے کی کسر رہ گئی ہے لیکن عین اس لمحے دنیا بھر سے غیور مسلم لڑکیوں کے قافلے بوسنیا پہنچنے لگے۔ آنے والے دنیا کے مختلف گوشوں سے آئے تھے۔ کوئی افغانستان سے آیا تھا تو کوئی مصر سے۔ کوئی سعودی عرب سے آیا تھا تو کوئی ہندوستان سے۔ سوڈانی بھی آئے اور ایرانی بھی۔ آنے والوں یہ عزم لے کر آئے تھے کہ بوسنیا میں اسلامی شناخت کے چراغ کو وہ ہر قیمت پر جلتا رکھیں گے خواہ اس کے لئے جس نوعیت کی بھی قربانی دینی پڑے۔ غیر تربیت یافتہ لیکن عزائم کے اسلحے سے لیس نوجوانوں کے قافلے نے مغرب کے منصوبہ سازوں کے ارادے خاک میں ملا دیئے۔ حکومتیں خواہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہوں وہ افراد سے لڑ سکتی ہیں امت سے نہیں۔ لہذا صورت حال کے بدلتے تیور کو دیکھ کر مذاکرات کی میز کا سہارا لیا گیا اور مسلم بوسنیا کی تلخ گولی مغرب کو نگلنی پڑی۔

بوسنیا کے بعد اب کوسووو سرب حملوں کی زد میں ہے۔ واضح رہے کہ کوسووو مسلم اکثریت کا علاقہ ہے جس پر اب تک بزور بازو سربوں نے اپنا قبضہ برقرار رکھا ہوا ہے۔ سرب فوجیں کوسووو کے مسلمان شہریوں کو خوف و دہشت میں مبتلا رکھنے کے لئے مسلسل ظالمانہ کاروائیاں کرتی رہتی ہیں۔ اب تک مسلم نوجوانوں کو ان کے بزرگ یہ مشورہ دیتے آئے تھے کہ سربوں سے کوئی جنگ مول لینے کے بجائے مصالحت کا رویہ اختیار کیا جائے، لہذا بلغراد کی حکومت جو کچھ بھی کہتی ہو اسے آنکھ بند کر کے خوشی خوشی تسلیم کر لینا چاہئے۔ مسلمانوں کو امن چاہئے، تحفظ چاہئے، رہی یہ بات کہ کوسووو مسلم اکثریت کا علاقہ ہے اور یہاں بھی بوسنیا کی طرح ایک مسلم خود مختار حکومت قائم ہونی چاہئے تو یہ ایک خطرناک خیال ہے۔ عجب نہیں کہ یہ مطالبہ اہل کوسووو پر بھی قیامت لائے جس سے بوسنیا کے مسلمان گزر چکے ہیں۔ بہت دنوں تک ان مصلحت پسندانہ باتوں نے کوسووو کے مسلمانوں کو کسی فیصلہ کن اقدام سے روکے رکھا حالانکہ وہ یہ دیکھتے تھے کہ سرب فوجیں مسلم علاقوں میں کھلے عام قتل و غارت گری مچاتی ہیں۔ جب چاہتی ہیں آتی ہیں، مسلمانوں کی آبرو پر ہاتھ صاف کرتی ہیں اور جسے چاہتی ہیں اسے زندگی چھین لیتی ہیں حالانکہ سرب کوسووو میں اقلیت میں ہیں۔ لیکن خوف زدہ مسلمان امن کی موہوم تلاش میں کسی معرکہ آرائی سے گریز کرتے رہے یہاں تک کہ صورت حال مزید خراب ہوتی گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ پا کر سربوں کے حوصلے بلند ہوتے رہے۔ بلغراد میں پالیسی سازوں کا عام ذہن کچھ اس طرح سوچتا تھا کہ کوسووو کے خوفزدہ مسلمانوں کو نکال باہر کرنا اب کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر ان پر عرصہ حیات مزید تنگ کر دیا جائے تو خود ہی ان کے قافلے البانیہ کی طرف ہجرت کرنے لگیں گے لیکن اسی دوران غیور مسلم نوجوانوں نے حالات پر بندھ باندھنے کے لئے کوسووو لبریشن آرمی قائم کر لی جس کا مقصد یہ قرار پایا کہ کوسووو سے سرب درندوں کو نکلنے پر مجبور کیا جائے۔ بلغراد کی حکمرانی سے اسے آزاد کیا جائے اور اس خطے میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ایک خود مختار مسلم حکومت وجود میں آئے۔



حالات نے تیزی سے پلٹا کھایا۔ اب تک جو لوگ سرب فوجوں کی آہٹ سن کر اپنے گھروں کا دروازہ بند کر لیتے تھے اور جو لوگ فائرنگ کی آواز سن کر اپنے گھر کی کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیتے تھے اب وہی لوگ سربوں سے مقابلے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے، دیکھتے دیکھتے لبریشن آرمی کا دائرہ پھیلتا گیا۔ جن ہاتھوں میں قلم تھا وہاں

حالات خواہ کتنے خراب کیوں نہ ہوں اگر ہم اللہ کے سہارے اپنی حالات کو درست کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو اسلام دشمن حکمرانوں کی کوئی قوت اور مغرب کے عیار سیاست دانوں کی کوئی سازش ان کا راستہ نہیں روک سکتی

کلاشنکوف دکھائی دینے لگا، جو پیسے اب تک سامان تعیش کی حصول میں ضائع ہوتے تھے اب ان سے راکٹ لانچر خریدے جانے لگے۔ دیہاتوں اور شہروں ہر جگہ مسلم شناخت پر زور بڑھتا گیا۔ دیکھتے دیکھتے پورے کوسووو میں مسلح جدوجہد شروع ہو گئی۔

مسلم نوجوان اس بات سے خوب واقف ہیں کہ سربوں کے پاس سابق یوگوسلاویہ کی تربیت یافتہ فوج ہے، اسلحوں کے انبار ہیں اور ان کی سیاسی پشت پناہی کے لئے روس موجود ہے۔ دوسری طرف انقلابیوں کے پاس کچھ بھی نہیں۔ ہلکے پھلکے ہتھیار جو انہیں حاصل ہیں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ جنگ طویل ہے اور دشمن منظم اور مستحکم، لیکن مسلم انقلابی اس بات سے بھی خوب واقف ہیں کہ کوسووو کی جدوجہد مغرب کے لئے سنگین مسائل پیدا کردے گی اور اگر کوسووو کے مسئلہ کا جلد کوئی حل تلاش نہ کیا گیا تو بلقان کے دوسرے علاقوں میں یہ تحریک پھیل جائے گی بالخصوص البانیہ اور مقدونیہ اس کی لپیٹ میں آجائے گا اور یہ ایک ایسی صورت حال ہوگی جو پورے یورپ کا سکون درہم برہم کر سکتی ہے اور اگر ایک بار بلقانیہ کے مختلف علاقوں میں خود مختاری کی تحریک زور پکڑ گئی تو برطانیہ کو آئرلینڈ پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ یورپ میں یہ خطرہ بھی محسوس کیا جانے لگا ہے کہ اگر کوسووو کے مسئلہ کا فوری کوئی حل تلاش نہ کیا گیا تو پورے یورپ میں سرحدی تنازع نئے سرے سے ابھر آئے گا گویا مسئلہ صرف کوسووو کے مسلمانوں کا نہیں بلکہ خود اس سے یورپ اور اہل مغرب کا مستقبل وابستہ ہے۔



کوسووو کے مسلمان پناہ گزیں جائے امان کی تلاش میں

مغرب کے لئے کوسووو کا مسئلہ انتہائی پیچیدہ ہے۔ اگر یہاں کسی مسلم حکومت کے قیام کا راستہ ہموار ہوتا ہے تو مغرب میں اسلامی تحریک کو حوصلہ ملتا ہے اور اگر حالات کو اسی طرح برقرار رکھا گیا تو بیداری کی تحریک پڑوسی ریاستوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ابھی تو صرف کوسووو کی بات ہے، کل البانیہ اور مقدونیہ کے سلسلے میں بھی خدشات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوسووو کے مسلم نوجوانوں نے سربوں کے خلاف تلوار اٹھا کر پورے مغرب کا مستقبل داؤ پر لگا دیا ہے۔

گو کہ اب تک مسلح جدوجہد میں کوئی پانچ سو نوجوان کام آچکے ہیں، کوئی ۶۵ ہزار لوگوں کو گھربار کو خیرباد کہنا پڑا ہے اور کوئی دس ہزار لوگوں نے غیر ممالک کی

جو لوگ فائرنگ کی آواز سنکر اپنے گھر کی کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیتے تھے اب وہی لوگ سربوں سے مقابلے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے

طرف ہجرت اختیار کی ہے لیکن انقلابیوں کے حوصلے اب بھی اسی طرح تروتازہ ہیں۔ ان دنوں مغرب کے ایوانوں میں یہ بحث چل رہی ہے کہ کوسووو کے مسئلے کا کیا کیا جائے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر NATO فوری طور پر حرکت میں آئے تو صورت حال کو مزید خراب ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔ لیکن بعض یہ بھی سمجھتے ہیں کہ پانچ سو لوگوں کی موت کوئی ایسا بڑا واقعہ نہیں جس کے لئے NATO کو فوجی کارروائی کے لئے آمادہ کیا جائے اس لئے کہ اگر چیچنیا میں ایک لاکھ لوگوں کی موت اور روانڈا میں آٹھ لاکھ لوگوں کی موت اگر ہمارے لیے عسکری مداخلت کا جواز فراہم نہیں کر سکتا تو مغرب کو صرف پانچ سو لوگوں کی موت پر بے چین نہیں ہو جانا چاہئے۔ لیکن یہ تو صرف ایک خیال ہے، جو لوگ دور تک دیکھتے ہیں وہ دراصل اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ کوسووو میں مسلم تحریک پورے یورپ کے مستقبل کو داؤ پر لگا سکتی ہے تو کیا کوسووو میں ایک بار پھر اسلامی شناخت کا سورج طلوع ہونے کو ہے۔ سربوں کے حلق سے یہ تلخ گولی یقینا نہیں نگلی جائے گی اس لئے کہ ان کے حافظے میں کوسووو عظیم سربیائی سلطنت کا ایک اہم حصہ ہے، جو پانچ سو سال تک عثمانی خلافت کا حصہ رہنے کے بعد انہیں بڑی مشکل سے ملا ہے۔ اب اگر دوبارہ کوسووو میں مسلم حکومت قائم ہو جاتی ہے تو یقینا اس کے رابطے عالم اسلام سے بڑھیں گے، دنیا بھر سے مسلم انقلابیوں کا وہاں آنا جانا ہوگا اور اس طرح مغرب کو عالمی سطح پر اسلام سے جو خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ دوچند ہو جائے گا۔ جرمنی، فرانس اور انگلینڈ میں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی اس واقعے سے حوصلہ پائیگی گویا کوسووو میں مسلم حکومت کے قیام کو تسلیم کر لینا اہل مغرب کیلئے ایک طرح کا اظہار شکست ہوگا۔ مغرب کیلئے مسئلہ یہ ہے کہ وہ اگر اس شکست کے کھلے دل سے قبول نہیں کرتا تو یہ تحریک پڑوسی ریاستوں میں پھیل کر مغرب کی بظاہر پرسکون منظر ناموں میں ایک ہنگامہ خیز انقلاب برپا کردے گی اور یورپ ایک بار پھر سرحدوں کے جھگڑے اور باہمی چپقلش کی زد میں آجائے گا۔ ▭

انڈونیشیا میں اسلام

مذہبی جماعتیں اب مساجد کی چاردیواری سے نکل کر ایوان اقتدار کی طرف جانا چاہتی ہیں

ہر انڈونیشیائی شہری کو، ۱۷سال کی عمر میں جس مختصر مگر اہم رسم راہداری (Passage) سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس رسم کے دوران عموماً نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ذاتی طور پر موجود نہیں ہوتے بلکہ ان کے والدین چار صفحات کا ایک فارم پر کر کے متعلقہ حاکم کے حوالے کر دیتے ہیں جو کہ محلے یا علاقے کا سربراہ ہوتا ہے۔ ایک یا دو ہفتوں کے اندر ان نوخیزوں کو اپنا پہلا قومی شناخت نامہ موصول ہو جاتا ہے۔ اس شناخت نامے میں ان کی ذاتی تفصیل مثلاً نام، پتہ، ولدیت، تاریخ پیدائش، پیشہ اور مذہب درج ہوتی ہے۔ اگر خود درخواست کنندگان یا ان کے والدین کی طرف سے مذہب کے خانے میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے تو سرکاری دفتر میں مسلم درج کر دیا جاتا ہے اور اس طرح وہ دنیا کی کثیر ترین مسلم آبادی والے ملک کی اکثریت کا ایک معمولی فرد تو بن ہی جاتا ہے۔

اس طرح کی بظاہر معمولی کارروائیاں جو سوہارتو کے دور اقتدار میں کی گئیں ان سے بہت سے عام انڈونیشیا کی شہریوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جن باتوں سے ان کی شناخت متعین ہوتی ہے اسلام ان کا حصہ ہے۔ یا کم از کم اتنا تو وہ سوچنے ہی لگے ہیں کہ اسلام کو ان کی شناخت کا تعین کیسے کرنا چاہئے۔ جمعہ کے دن انڈونیشیا کے دفاتر کی عمارتوں کے کاریڈوروں اور کھلی جگہیں نمازیوں کے جوتوں سے بھری رہتی ہیں۔ مسجدیں کمیونٹی سنٹر بنی ہوئی ہیں۔ ٹیکسی ڈرائیور سے لے کر بنکر تک گفتگو میں اسلامی اقوال کا استعمال کرتا ہے۔ مذہبی تعلیم کو عام کرنے والی جماعتیں طلباء میں مقبول ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اسلام انڈونیشیا میں پہلے سے کہیں زیادہ ایک سماجی اور روحانی طاقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کا سیاسی رول ملک کا سب سے بڑا مسئلہ لاینحل بنا ہوا ہے۔

کئی سال تک سابق صدر سوہارتو نے اپنے آمرانہ نظام میں اسلامی سیاست کی اہمیت کو گھٹا کر رکھ دیا تھا پھر اپنے دور اقتدار کے آخری دنوں میں وہ مسلم رہنما بن بیٹھے۔ اس مدت میں جو روح انھوں نے عوام میں پھونکی وہ دور سوہارتو کے بعد بھی زندہ رہی اور پنپتی رہی جس کے نتیجے میں سوہارتو کے زوال سے بھی اسلام کی اہمیت کم ہونے کے بجائے استحکام کی طرف بڑھتی گئی۔ تعلیم یافتہ اور بیباک مسلمان جن میں سے بعض موجودہ صدر حبیبی سے قریب بھی ہیں، اب سرکاری اور سماجی دونوں سطحوں پر نمایاں ہیں اور اسلامی جماعتیں بھی ابھر رہی ہیں۔ ایک ادارے کی حیثیت سے اسلام نئے نظام میں بخیر و خوبی زندہ رہا۔ آج سوال یہ آکھڑا ہوا ہے کہ جدید انڈونیشیا کی تشکیل میں اسلام کیا کردار ادا کرے گا؟ بعض دانشوروں کے نزدیک انڈونیشیا میں اسلام ابھی اپنے عالم طفلی میں ہے اور جوش و جذبے سے پر ہے۔ نوڈچ استعماری حکمرانوں نے اسلام کو سیاست کے دائرے سے خارج رکھتے ہوئے نسلی چینیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ اقتصادی اور تعلیمی مواقع فراہم کیے۔ آزادی کے حصول کے بعد مسلمانوں میں اعتماد آنا شروع ہوا اور نظام جدید کی پہلی دو دہائیوں کے دوران یعنی ۱۹۶۶ سے ان خود آگاہ مسلمانوں کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جو سرکاری پالیسیوں پر اثر انداز ہونا چاہتے تھے۔ ۱۹۸۴ میں نافذ کردہ ضابطہ پنج شیل جو خدا اور مختلف عقائد کا تصور پیش کرتا ہے) اور شادی و طلاق کے قوانین نے سوہارتو اور مسلم فرقے کے درمیان رسہ کشی کی صورت حال پیدا کر دی۔ مسلح افواج اس مسلم شدت پسندی پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھیں۔ یہ تناؤ اپنے عروج پر ۱۹۸۴ میں ہی پہنچا جب جکارتہ کے ساحلی ضلع تانجونگ پریاک میں مسلم مظاہرین پر فوج نے گولی چلائی۔ ۱۹۸۰ کی دہائی کے آخری دنوں میں سوہارتو کے



اسلام انڈونیشیا میں پہلے سے کہیں زیادہ ایک سماجی اور روحانی طاقت کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کا سیاسی رول ملک کا سب سے بڑا مسئلہ لاینحل بنا ہوا ہے۔

ایما پر اسلام انڈونیشیا سماج کے مرکز کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ آج اسے حکومت اور حزب مخالف دونوں میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ صدر حبیبی ایک پکے مسلمان ہیں اور ابھی قائم ہونے والی انڈونیشیا کے مسلم دانشوروں کی انجمن (آئی سی ایم آئی) سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حزب مخالف کے لیڈر امین رئیس ۲۸ ملین افراد کی رکنیت والے رفاہی تعلیمی مسلم تنظیم احمدیہ کے سربراہ ہیں۔ دوسری رئیس کے حریف عبدالرحمن واحد جو ۳۰ ملین افراد کی رکنیت والی پارٹی نہضۃ العلماء کے لیڈر ہیں انہوں نے مئی میں سربایا شہر میں دس لاکھ افراد کے دعائیہ اجتماع کا اہتمام کر کے اپنی بھاری عوامی حمایت کا مظاہرہ کیا۔

یونائیٹڈ ڈیولپمنٹ پارٹی (پی پی پی) جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اس کے لیڈر اسماعیل حسن متروم اور ان کی تنظیم نے حکومت پر تنقید کا بیڑہ اٹھایا ہے لیکن سرکاری طور پر تسلیم شدہ دو پارٹیوں کی طرح جو نظام نو کے تحت وجود میں آئی ہیں پی پی پی میں انتشار کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ پارٹی کا ایک تشکیلی عنصر "اسلامی اتحاد" ایک علیحدہ سیاسی طاقت بننے کے لیے کوشاں ہے۔ جون میں پارٹی کے ۳۰۰ افراد کا اس کے مستقر پر حملہ اور قروم کی عہدے سے بے دخلی کا مطالبہ اس کا ثبوت ہے۔ مجید، ملک فجر اور عین النجیب جیسے مذہبی لیڈران پھر سے بااقتدار حیثیت میں آگئے ہیں۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹ مئی کو ایک پرائیویٹ میٹنگ میں سوہارتو سے استعفی کا مطالبہ انہی لوگوں نے کیا تھا اور دو روز بعد سوہارتو اقتدار سے دست بردار ہوگئے۔

سیاسی سرگرمی کو منضبط کرنے والے قوانین ابھی از سر نو دائرہ تحریر میں آتے ہیں اگرچہ صدر حبیبی نے کہا ہے کہ نسل، مذہب یا گروہی وابستگی پر مبنی پارٹیاں شاید قابل قبول نہ ہوں گی۔ لیکن نسلی چینی تاجروں نے ۵ جون کو انڈونیشین چائنیز ریفارم پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ دوسرے ہی دن ایک اور گروہ سٹی زنز فورم فار ریفارم سامنے آیا اور دونوں کا مقصد نسلی چینیوں کو شہری حقوق کی ضمانت دلوانا تھا۔ ۱۳ مئی کو جکارتہ کی مسجد الازہر میں امام احمد سمرگونو نے انڈونیشیائی لیڈروں کو متنبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو کسی اسلامی پارٹی کے قیام سے نہ روکیں کیونکہ اس سے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اور انھیں روکنے کی کوئی کوشش اسلام گزیدگی کے مترادف ہوگی۔ صدر حبیبی شاید اسلامی سیاسی پارٹیوں کے قیام کی تحریک کے زور کو دبا نہیں پائیں گے۔

محمدیہ اور این یو کے سربرآوردہ لیڈران پارٹیوں کے قیام سے ہچکچا رہے ہیں ان کے نزدیک اسلامی سیاست نہ صرف امیدوں بلکہ خطرات کا بھی مسکن ہے۔ کسی نوزائیدہ پارٹی کے لیے حمایت حاصل کرنے کا بہترین حربہ مذہبی نشانیوں کا استعمال ہے لیکن کسی مشترک دشمن کی عدم موجودگی میں خواہ وہ سوہارتو ہوں یا کمیونزم سیاسی تصادم اپنا چہرہ مذہب کی راہ سے ہی دکھائے گا۔ جاہ پرست افراد اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کی خاطر مذہب کا استحصال کر سکتے ہیں۔

طویل جلاوطنی کے بعد انڈونیشیا کی سیاست میں اسلام کا باضابطہ داخلہ کوئی ایسی چیز نہیں جس سے ہر شخص خائف ہو جیسا کہ ایک اسلامی یونیورسٹی کے ریکٹر اور مسلم قومی روزنامہ ری پبلیکا کے صفحہ اول کے کالم نگار دوام دہردجو کا خیال ہے۔ ان کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اسلام کو سیاسی ڈھانچے میں ضم کر لیا جائے۔ اسلام کی حاشیہ نشینی اسے دبانے کی ایک اور کوشش ہوگی اور اسے زیر زمین لے جانے کا کوئی بھی عمل اسے عدم رواداری کی راہ دکھائے گا۔

مسلمانوں کی دلچسپی کے مسائل کیا ہیں؟ ان میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ چینیوں اور دوسرے افراد کے درمیان دولت کے واضح فرق کو مٹانے کی مؤثر کوشش کی جائے۔ صدر حبیبی کے مشیر دیوی فارچونا انور کے بیان کے مطابق اگر ہم ہم آہنگی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس کا واحد طریقہ ہے کہ دیسی آبادی کو امیر بنایا جائے۔ مئی کے فسادات سے پہلے چینی انڈونیشیائی جو ملک کی ۲۰۲ ملین آبادی کا ۴ فیصد ہیں ان کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ قومی املاک کے تین تہائی حصے پر قابض ہیں۔ اگرچہ اس اعداد و شمار کی کوئی احصائیاتی بنیاد نہیں ہے لیکن قرین قیاس ضرور ہیں۔

ایک دلچسپ موضوع گفتگو ملیشیائی طرز کی نئی اقتصادی پالیسی ہے جو غیر چینی انڈونیشیوں کو مصنوعی مراعات فراہم کرے گی۔ دیگر تجاویز میں چھوٹے اور اوسط درجے کے ان تاجروں اور کسانوں کو کریڈٹ پروگرام شامل ہیں اقتصادی عدم توازن انڈونیشیا کے بہت سے مسائل کی جڑ ہے اور اسی لیے اسلامی یونیورسٹی کے مذکورہ ریکٹر موصوف کا کہنا ہے کہ ہم اس اقتصادی عدم توازن کے مسئلے کو ایک بار کیوں نہ حل کر لیں۔ لیکن جب سے سوشلزم اور کمیونزم کو دیس نکالا ملا ہے ان مسائل کے اظہار کے لیے جو بنیادی طور پر طبقاتی نوعیت کے ہیں، نسل اور مذہب کے علاوہ انڈونیشیاؤں کے پاس کوئی اور حوالہ شاید ہی ہو۔ اقتصادی بحران نے بے شک

جکارتہ کی مسجد الازہر میں امام احمد سمرگونو نے انڈونیشیائی لیڈروں کو متنبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو کسی اسلامی پارٹی کے قیام سے نہ روکیں کیونکہ اس سے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

دولت کے فرق کو وسیع کردیا ہے اور اس فرق کو پر کرنا ایک فوری ضرورت ہے۔

ایک اور مسئلہ جس پر صدر سوہارتو کے بعد چند ہی افراد نے غور کیا ہوگا، قومی ضوابط میں شریعت کے رول کا ہے۔ مجید جیسے لوگ اس پر مصر ہیں کہ اسلام ذاتی اخلاقیات سے وابستہ کیا جائے اور یہ عوامی جواب دہی (Public accountability) کا حصہ نہ بننے پائے۔ اس کے برعکس اسلام پسندوں کا اصرار ہے کہ یہ موقف بہت انکسارانہ ہے اور یہ کہ مذہب و ریاست اور معاشرہ دونوں کے لیے ہوتا ہے جب کہ عام تصور یہ ہے کہ اسلامی قانون جابرانہ اور ظالمانہ ہے۔ آئی سی ایم آئی کے صدر نشین احمد ٹرتو سدیرو اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اسلام کے فیصلے خودکار کبھی نہیں ہوتے۔ فوجداری کے معاملات میں فیصلے جرم اور بے گناہی کے تصورات پر مبنی ہوتے ہیں اور ان تک پہنچنے کا عمل اتنا ہی پیچیدہ ہوتا ہے جتنا کہ مغربی عدالتوں میں۔ جناب احمد کے مطابق شریعت ایک قابل عمل قانونی نظام ہے۔

سماجی انصاف اور قانون جیسے موضوعات پر عوام کے خیالات بہت تیزی سے بٹ جائیں گے۔ ایک وسیع تر سیاسی اکھاڑے میں ان کے بارے میں کوئی فیصلہ سازی عیسائی کیتھولک ہندو اور بدھسٹ فرقوں میں اقلیتی حیثیت کے احساس کو تیز کردے گی۔ بہت سے مسلم دانشور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ لازمی ہے اور یہ کہ ایک واحد اور متحد انڈونیشیا کا تصور کم از کم مذہب کی قوت کشش کے مقابلے میں مضبوط ہے اسی لیے ٹرسٹو سدیرو نے اقلیتوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ "یہاں آپ آزاد ہیں لیکن براہ کرم اپنی حیثیت کو جانیں۔"

انڈونیشیا میں اسلام کے مختلف رنگ

تقریبا ۱۸۰ ملین انڈونیشیائی باشندے مسلمان ہیں، نہ وہ ایک آواز میں بولتے ہیں اور نہ ہی اسلام کے سیاسی ایجنڈے کا شعور ابھی ان میں عام ہے۔ وہ لوگ بھی جو خود کو دوسب سے بڑی عوامی تنظیموں یعنی ۲۸ ملین افراد کی رکنیت والی محمدیہ اور ۳۰ ملین افراد کی رکنیت والی نہضۃ العلماء یا محض ۴۰۰۰۰ ممبران پر مشتمل ایسوایشن آف مسلم انٹلکچولس (آئی سی ایم آئی) کے رکن تصور کرنے والے بھی ذاتی سطح پر مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ انڈونیشیائی مسلم برادری خود اس قوم کی طرح ہی مختلف الجہات ہے۔ سرکاری وابستگی سے زیادہ ذاتی میلانات اور رجحانات اس کے افراد کی خصوصیت ہے۔ ان میں صدیوں سے ایک امتیاز شدت پسند (سنتری) اور اعتدال پسند جاوائی مسلمانوں کے درمیان چلا آرہا ہے اور ثانی الذکر کی تعداد سنتریوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ دیگر امتیازات کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے مثلا

روایت بمقابل جدیدیت

انڈونیشیا میں اسلام نے مقامی خصوصا جاوائی روایات کا رنگ اختیار کیا ہے۔ نئے دور کے مسلمان ان خصوصیات سے دست بردار ہوکر قرآن کی بنیادی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ محمدیہ تنظیم کے حامی خصوصا شہری تاجر طبقہ خود کو جدت پسند کہتا ہے۔ نہضۃ العلماء کی بنیاد مستحکم طور پر دیہی ہے اور بڑی حد تک روایتی ہے۔ محمدیہ نے کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا اگرچہ اسکے ممبران جوش وخروش سے سیاست میں ملوث رہتے ہیں۔ نہضۃ العلماء نے ۱۹۸۴ میں سیاست چھوڑ دی تھی جیسا کہ اسکے بہت سے حامیوں کی خواہش ہے اگر وہ سیاست میں دوبارہ داخل ہوئی تو ایک اہم قوت بن کر ابھر سکتی ہے۔

مشرق بمقابل مغرب

بہت سے افراد جو مشرق وسطی میں رہ آئے ہیں یا وہاں تعلیم حاصل کرچکے ہیں، اس خطے کے ایسے انقلابی رجحانات کو ذہن میں بسا چکے ہیں جن کو ڈھالنے میں مغرب سے ان کے تصادم کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ قوم کو ایک اسلامی رنگ دینے کا میلان رکھتے ہیں اور اس رنگ کی جھلک انھیں مصر، ایران اور سعودی عرب کی سیاست میں نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس یورپ اور امریکہ سے زیادہ مانوس اور آشنا افراد میں مذہب کو ذاتی ترجیح کا درجہ دینے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ مذہب ان کے نزدیک عوامی سرگرمی کی نہیں بلکہ ذاتی اخلاقیات کی رہنمائی کرتا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز پر مغربی رنگ کا چھاپ ہے۔ یہ ایک ایسی سرکاری تنظیم ہے جہاں سے تمام لائسنس یافتہ مبلغین کو گریجویشن کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اشراف بمقابل عوام

آئی سی ایم آئی کے ممبران معدودے چند ہیں لیکن انڈونیشیا کے نمایاں ترین مفکر اور دانش ور کی حیثیت سے مذہب اور سیاست کی بحث کے داعی وہی بنتے ہیں۔ محمدیہ سے وابستہ تجار اور صنعت کار سیاسی اثر ورسوخ کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور یہ تنظیم اس کا دعوی بھی کرسکتی ہے۔ سماترا کے مغربی سرے سبانگ سے لے کر اریان جایا کے میروک تک اس کی شاخیں ہیں لیکن عوام کو خطاب کرنے کی صلاحیت نہضۃ العلماء میں ہی ہے۔ اس کا مضبوط ترین مرکز مشرقی جاوا ہے جہاں گذشتہ مئی میں اس نے ایک ریلی منعقد کی جس میں دس لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ شہری غریب طبقہ کو اس نے نظرانداز کررکھا ہے اور اسی طبقہ میں انقلابی اسلام کو پیر جمانے کا موقع مل سکتا ہے۔

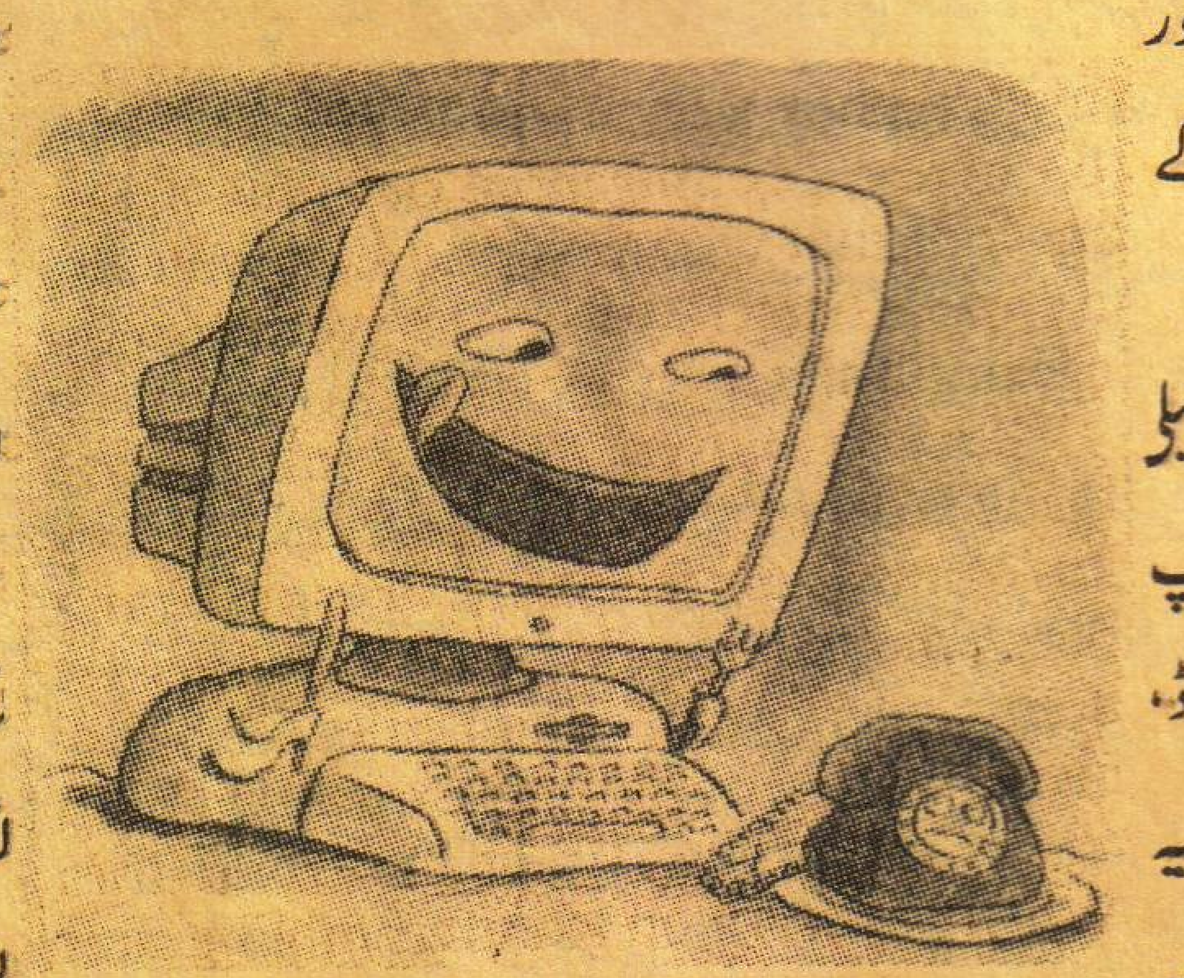
اکثریت بمقابل اقلیت

اقتصادی اور سیاسی نمائندگی ان کے درمیان اختلاف کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اگرچہ آئی سی ایم آئی کے ممبران اسلامی ریاست کے انقلابی نعرے سے خود کو دور ہی رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعض ممبران اقربا پروری کی اقلیت میں یقین رکھتے ہیں جس کا دامن ماضی میں چینیوں اور عیسائیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مسلم اکثریت ملک گیری اور تجارت کے میدانوں میں نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ دیگر مسلم لیڈروں کو یہ تشویش لاحق ہے کہ واضح طور پر نظر آنے والی اس لاپرواہی کا مداوا اقلیتوں کو ان کے شہری حقوق سے محروم کرسکتا ہے۔

انٹرنیٹ ٹیلی فون

اب آپ دو روپئے میں امریکہ بات کر سکتے ہیں

جب آپ کوئی عام ٹیلی فون کال کرتے ہیں تو اس کال سے ایک سرکٹ مخصوص کر دیا جاتا ہے اور الفاظ اس سرکٹ کے سہارے ایک تسلسل میں اپنی منزل کی طرف سفر کرتے ہیں۔ مگر انٹرنیٹ پر بھی کال اگر آپ کریں گے تو اس کا عمل مختلف ہوگا۔ انٹرنیٹ ٹیلی فون کے طریقہ کار کے تحت الفاظ جو کہ bits اور bytes میں تبدیل ہو جاتے ہیں ہر ممکن تیز ترین راستوں پر الگ الگ رواں دواں ہو جاتے ہیں اور کوئی شے ان کی راہ میں حائل نہیں ہونے پاتی اور منزل پر پہنچ کر اپنی صحیح ترتیب میں دوبارہ آجاتے ہیں۔ آواز کو صحیح ترتیب اور اصل کوالٹی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچانے کے میدان میں قابل ذکر کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔



ابھی کوئی ڈیڑھ سال پہلے تک انٹرنیٹ ٹیلی فون سماجی اعتبار سے فضول اور کنجوس افراد کا دلچسپ ترین مشغلہ تھا۔ ایک پرسنل کمپیوٹر، موڈیم، ساؤنڈ کارڈ، مائیکروفون اور بعض مخصوص سافٹ ویر کی مدد سے یہ شوقین حضرات دنیا کے کسی بھی مقام پر موجود مطلوبہ شخص سے جس کے پاس مذکورہ آلات کی سہولت ہو صرف مقامی ٹیلی فون کال کی قیمت پر گفتگو کر سکتے تھے۔ اس عمل میں آواز صاف تو نہیں ہوتی تھی اور ایسے جھٹکے محسوس ہوتے تھے جیسے اونٹ کی سواری کے دوران۔ پھر بھی یہی کیا کم تھا کہ کسی طرح بات تو ہو جاتی تھی لیکن انٹرنیٹ پروٹوکول (آئی پی) ٹیلی فون کے تصور کے منظر عام پر آنے کے بعد سے آواز کی کوالٹی کو برقرار رکھنے کی امید بندھ چلی ہے اور اس میدان میں ڈیلٹا تھری، یو ایس اے، گلوبل لنک اور کوسٹ جیسی کمپنیاں مصروف عمل ہیں اور اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں پہلے کی ٹیلی فون کے طریقہ کار کے برعکس آلات کا پورا مجموعہ درکار نہیں ہے بلکہ صارفین کو صرف ایک عام ٹیلی فون ہی رکھنا ہوگا۔ آپ کو صرف یہ کرنا ہے کہ ایک کریڈٹ کارڈ اکاؤنٹ کھول لیں، کلیدی نمبر گھمائیں اس کے بعد ہی اپنا شناختی نمبر گھمائیں اور پھر جہاں چاہیں وہاں کا نمبر ڈائل کر کے بات کر لیں۔ دونوں سروں پر پہنچنے والی آواز سیلولر ٹیلی فون کے معیار کی ہوگی۔

یہ کافی سستا نسخہ ہے۔ اب امریکہ میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اندرون ملک لمبے فاصلے کی ایک منٹ کی کال سات سے دس سنیٹ میں اور بیرونی کال مروجہ ۸۹ سنیٹ فی منٹ سے نصف شرح پر کی جائے۔ فاصلوں سے انٹرنیٹ کی یہ بے اعتنائی ٹیلی فون کمپنیوں کی احتیاط سے تیار کردہ کال ٹیرف اسکیم کے لیے ایٹم بم ثابت ہو رہی ہے اور انھیں خطرہ ہے کہ اب ان کے دھندے کی کشش ختم ہو جائے گی۔

انٹرنیٹ پر آواز کی اطمینان بخش کارکردگی کی برقراری کوئی معمولی تیکنیکی کامیابی نہیں ہے۔ معمولی نیٹ ورک بہت سے کنکشنوں کا مجموعہ ہوتے ہیں اور دونوں سروں پر کال کی مدت کے لیے محفوظ شدہ چینل بناتے ہیں۔ اس کے برعکس انٹرنیٹ ایک بے کنکشن کا نیٹ ورک ہوتا ہے جو معلومات پیکٹ مختلف راستوں پر دوڑاتا ہے۔ ہر پیکٹ میں اس کی منزل کا پتہ دیا ہوتا ہے اور انفرادی طور پر نیٹ ورک کے ذریعے متعینہ راستے پر لگا دیا جاتا ہے۔ معلومات کی فائلوں کو دوبارہ ترتیب سے لگانے میں کمپیوٹر کو زیادہ وقت نہیں ہوتی لیکن یہی کام بولے ہوئے الفاظ کے ساتھ کرتا ہو تو خاصا پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ آواز کے اشاروں کو ڈیجیٹل طریقے پر کوڈ یا رموز کی شکل دی جاتی ہے اور پھر پیکٹوں میں بھیجا جاتا ہے لیکن شرط یہ ہوتی ہے کہ یہ پیکٹ ۲۰ سے ۲۵ ملی سکنڈ میں پہنچ جائیں تاکہ خلل دار آوازیں نہ پیدا ہوں ورنہ کال بے کار ہو جائے گی۔

پبلک انٹرنیٹ کے ذریعے آواز کی کوالٹی میں بہتری زیادہ ترقی یافتہ سافٹ ویر کے استعمال سے ممکن ہوئی ہے تاہم اس ضمن میں بڑی تبدیلی پرائیویٹ نیٹ ورک کے بڑھتے ہوئے استعمال سے آئی ہے۔ اس کے علاوہ جو چیز اس میں معاون ثابت ہوئی ہے وہ ہے Gateway Servers کا پھیلاؤ جو اسٹینڈرڈ ٹیلی فون نیٹ ورک کو آئی پی بیسڈ نیٹ ورک سے مربوط کر دیتے ہیں۔ ان تیکنیکی ترقیات سے فائدہ اٹھانے میں سرفہرست ڈیلٹا تھری کمپنی کا نام آتا ہے جو RSL کا ایک معاون ادارہ ہے۔ وہ صارفین جنھیں ڈیلٹا کے نیٹ ورک سے مثلاً سنگاپور ٹیلی فون کی ضرورت ہو تو وہ امریکہ میں قائم گیٹ وے کے ذریعے enroute ہوگی۔ گیٹ وے آواز کو digits میں تبدیل کر کے ڈاٹا پیکٹ سنگاپور میں قائم گیٹ وے کو منتقل

کرے گا۔حال ہی میں ڈیلٹا نے اپنی خدمات کا جال یوروپ میں بھی بچھایا ہے۔

اس سوال پر کہ کیا آئی پی ٹیلیفون کی حکومت پوری دنیا پر ہونے والی ہے قیاس آرائی کی جاتی ہے کہ طویل فاصلے کی ٹیلیفون کالوں کا اگر 4% وقت پہلے ٹیلی آئی میں ٹیلی فونی میں گذرتا تھا تو اب یہ شرح 15% تک پہنچ چکی ہے اور پیشین گوئی یہ کی جاتی ہے کہ آئندہ تین سال کے عرصے میں دنیا میں کل طویل فاصلاتی کالوں کا 25% آئی پی ٹیلیفون کے حصے میں آئے گا۔

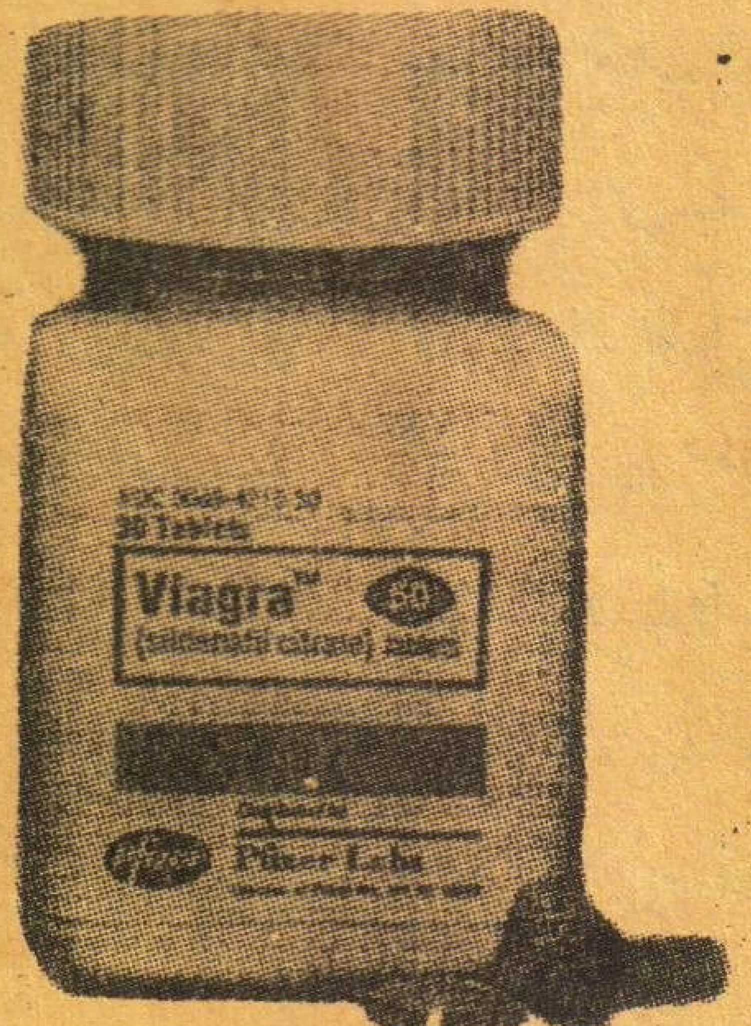
اس طرح ٹیلی کوم فرموں کو ۱۰ بلین ڈالر سالانہ تک کے محصول کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔اسی خیال سے شاید امریکہ کی فیڈرل کمیونیکیشنز کمیشن ایف سی سی اس انداز پر سوچ رہی ہے کہ انٹرنیٹ ٹیلی فون کی سہولت فراہم کرنے والی ایجنسیاں ایک عالمی سروس فنڈ کی ممبر بنیں اور اس میں برابر اپنا چندہ جمع کرتے رہیں تاکہ اس نقصان کی کسی حد تک تلافی ہوتی رہے۔کم ترقی یافتہ ممالک میں سستی ٹیلی فون کالوں کی سہولت کی فراہمی کا مطالبہ سرکاری سرپرستی میں چلنے والی ٹیلی فون کمپنیوں کی محصول کمانے کی جدوجہد میں دب جائے گا۔اس کا ایک فنی پہلو یہ بھی ہے کہ اپنا ذاتی انٹرنیٹ نظام تشکیل کرنے والی کمپنیاں جن کے پاس وسیع ترسمائی کا فائبر نیٹ ورک ہے وہ آواز کی راہ میں آنے والی رکاوٹ اور بھیڑ بھاڑ کو پسند نہیں کریں گی۔لیکن انٹرنیٹ سروس کی سہولت فراہم کرنے والی کو پبلک انٹرنیٹ کا سہارا لینی ہیں آواز کی کوالٹی کو مجروح نہ ہونے دینے کے لیے لمبا خرچ برداشت کرنا ہوگا۔انٹرنیٹ ٹیلی فون کے زور پکڑنے اور روایتی ٹیلی کوم کمپنیوں کے رد عمل کے نتیجے میں سروس کی لاگت یقینا بڑھے گی۔تاہم مبصرین کا خیال ہے کہ آئی پی ٹیلی فونی مسابقت کو تیز کر کے قیمتوں کو کم کرے گی اور وہ وقت آنے والا ہے جب پیکٹ نیٹ ورکس زیادہ مہنگے اور کم صلاحیت والے circuit switched نیٹ ورک کی جگہ لے لیں گے اور اس میں آواز اتنی صاف ہوگی جیسے آپ کمپیکٹ ڈسک پر موسیقی سن رہے ہوں۔

ویاگرا۔ جنسی ناکارگی کا علاج یا ہوس کاری کا بہانہ

تحریر: س۔احمد

تاریخ شاہد ہے کہ سائنس کے مختلف میدانوں میں آج تک ہونے والی ایجادات سے جہاں انسان نے اپنے لیے آسانیاں پیدا کی ہیں وہیں ایک انسانی گروہ نے دوسرے گروہ پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لیے اس کا بیجا استعمال بھی کیا ہے۔یہ بات مردانہ کمزوری کے علاج میں کارآمد بین الاقوامی دوا ساز کمپنی فائزر کا تیار کردہ ویاگرا گولیوں پر طویل عرصے سے چلتی آئی تحقیق اور آخر کار امریکی اسٹوروں میں اسکی دھڑا دھڑ فروخت پر بھی صادق آتی ہے اور ستم ظریفی یہ کہ جنسی تلذذ کی انتہا تک پہنچنے کے جنون میں مبتلا آج کا مہذب انسان اس حربے کو خود اپنے آپ پر آزما رہا ہے اور اس تصور نشاط کی سرشاری میں اس کے عواقب سے اتنا بے خبر ہے کہ باخبر ہونا بھی نہیں چاہتا۔

ویاگرا کے پیچھے امریکہ میں لوگ خواہ جوان ہوں یا بوڑھے، کس قدر دیوانے ہو رہے ہیں، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اضمحلال شکن دوا پروزاک اور گنجا پن رفع کرنے والی روگین کے بعد ویاگرا اپنی نوعیت کی پہلی دوا ہے جسے بے پناہ ہنگامی مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔اسے یہ مقبولیت دلانے میں ان امریکی معالجوں نے حد درجہ فعال کردار ادا کیا ہے جنھوں نے انٹرنیٹ جیسے جدید ترین ذرائع ابلاغ کو کام میں لاتے ہوئے لفظ ویاگرا کو جنسی توانائی کی علامت بنا دیا ہے اور وہ روزانہ اوسطاً دس ہزار افراد کو یہ "حیات آفریں" گولیاں تجویز کر رہے ہیں۔دواؤں کے بازار میں اس نووارد نے حیرت انگیز طور پر صارفین کی نفسیات کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے۔



قوت مردی کی کمی اور اولاد سے محرومی انسانوں کے ایک قابل ذکر طبقے کا مسئلہ ہمیشہ سے رہا ہے اور طبی سائنس ایسے مایوس مریضوں کو پرامید رکھنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہی ہے۔طبی تحقیق نے جب عملی شکل اختیار کر لی تو جو واقعی مریض نہیں تھے وہ بھی مریضوں کی حیثیت سے ڈاکٹروں سے ویاگرا کا نسخہ حاصل کرنے کے لیے قطار میں جا لگے تاکہ انھیں اپنی مردانگی کے زیادہ بہتر مظاہرے کا موقع مل سکے اور ایسے سیکڑوں افراد جو اس گولی کا تجربہ کر چکے ہیں، اس کی سرشاری وہ امریکی معیشت کے استحکام پر فخر کے ساتھ ساتھ اس دور میں زندہ رہنے اور اس کی زندگی کی نعمتوں کا شکر کرتے نہیں تھک رہے ہیں۔

کئی دہائیوں سے جنسی ناکارگی میں مبتلا افراد کی زندگی میں اس طلسمی گولی نے سرخوشی کی لہر دوڑا دی ہے۔اب حالت یہ ہے کہ وہی مریض جو پہلے درد گردہ اور پیشاب کے راستے خون جانے کی شکایت لے کر آتے تھے، ڈاکٹر کا سامنا ہوتے ہی اس سے ویاگرا تجویز کرنے کی فرمائش کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس تیر بہدف گولی نے عمر رسیدہ مردوں اور سن یاس کو پہنچنے والی عورتوں میں جنسی خواہش کو بیدار کر کے Biological Clock کو الٹ دیا ہے اور ان کا شباب لوٹا دیا ہے۔ تاہم اس حقیقت کو شاید نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ اسکے منفی اثرات ہر سطح پر مرتب ہونے والے ہیں۔ ابھی ایک ماہ پہلے ایک ساتھ چھ افراد اس گولی کا اپنے اوپر تجربہ کر کے موت کے منہ میں جا چکے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ پورے امریکی معاشرے کو مزعوم دائمی مسرت کی صنف نازک پر آخری فتح کی بشارت پر چھ کیا چھ ہزار زندگیوں کی قربانی دینا بھی ویاگرا حامیوں کو منظور ہوا۔ اس کے علاوہ بلڈ پریشر اور ذیابیطس کے مریضوں کے لیے اس دوا کا استعمال مہلک ہو سکتا ہے یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔

ابھی تک جن افراد پر ویاگرا آزمائی گئی ہے ان میں سے ہر دس میں سے ایک شخص اندھا پن پیدا کرنے کی حد تک سر درد کی شکایت لاحق ہوئی ہے اور دوا کی خوراک زیادتی کے ساتھ اس کی شدت میں اضافہ ہوا ہے۔

ویاگرا میں ایک خاص قسم کے Enzyme موجود ہیں جو آنکھ کے اندر بھی پائے جاتے ہیں اس لیے اس کے استعمال سے آنکھوں میں دھندلاہٹ یا نیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ ویاگرا سے خون کے دباؤ میں اچانک گراوٹ آسکتی ہے اور نائٹرو ملیسرین یا دیگر اینٹی بائی پر سنیٹو دواؤں کے ہمراہ اس کا استعمال کرنے والوں پر بے ہوشی طاری ہو سکتی ہے۔

ایک امکان یہ بھی ہے کہ قلت دم یا پیشاب کی نالی میں جلن کے مریض اس دوا کے استعمال سے Priapism کا شکار ہو سکتے ہیں اور یہ چار گھنٹے یا اس سے زائد وقفے کی ایستادگی کی حالت ہے جس کا علاج نہ ہونے پر خلیے بیکار ہو جاتے ہیں۔ ویاگرا کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ بعض اوقات نامردی امراض قلب، ذیابیطس اور سرطان کی بعض اقسام کی ابتدائی علامت تصور کی جاتی ہے۔ کیمیائی حربوں سے نامردی پر قابو پانے سے علامت زائل ہو جائے گی اور مرض پنپتا رہے گا۔ وہ حضرات جنہوں نے امراض قلب کی بناء پر جنسی مباشرت سے احتیاط کی ہو اگر جوش میں آکر ویاگرا استعمال کر بیٹھتے ہیں تو اس سے ان کی زندگی کو خطرہ ہے۔ اہم ترین قابل غور پہلو یہ ہے کہ ویاگرا کے کثیر مقدار میں استعمال کے طویل مدتی نتائج کی پیش گوئی ممکن نہیں ہے خصوصاً جنسی طور پر صحت مند لوگوں پر جو اس کا سہارا لیتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ جب نفسیاتی طور پر اس کے عادی ہو جائیں گے تو بغیر دوا کے کبھی وہ جنس کی طرف مائل نہ ہو سکیں گے گویا کہ اس کا مستقل استعمال ہی ان کی ناکارگی کا سبب بن جائے گا۔

ویاگرا کی منفعت اور مضرت سے قطع نظر ایک سوال یہ ہے کہ کیا امریکی معاشرے میں جنسی ناکارگی اتنی عام ہو چکی ہے اور کیا اس کا علاج امراض قلب یا گنجے پن کی طرح زود اثر دواؤں سے ہو سکتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ میڈیا جس کی رائے اور سفارش کے بغیر ہم ایک صابن بھی نہیں خرید سکتے وہ موقع پرستوں کے ایماء پر عوام پر جنسی ناکارگی کی نفسیات طاری کر کے آندھی کے آم بٹورنے کی کہاوت پر عمل کر رہا ہو۔ آخر میڈیا یہ بھی تو کر سکتا ہے کہ عوام کو جنسی ناکارگی کے اسباب خود ان کی زندگیوں میں تلاش کرنے کیطرف متوجہ کرائے۔ کیا شہری زندگی میں آئے دن کے ٹریفک جام انسانی جسم کو نہیں تھکاتے۔ کیا آج کی صارفیت زدہ زندگی میں اس کی ضروریات اور اس سے بڑھ کر آسائشوں کی فراہمی کی فکر انسان کے اعصاب کو کھوکھلا نہیں کرتی جا رہی ہے اور جب سے ویزا کریڈٹ کارڈ کے طفیل ان آسائشوں کی فراہمی ممکن ہوئی ہے ان کی قسطوں کی ادائیگی کی فکر انسانی دماغ کی طنابوں کو ڈھیلا رکھے گی۔ ابھی تک کے مطالعے سے تو یہی ثابت ہوا کہ یہ سارے عوامل انسانی جسم کے ہر شعبے کے فعل کو متاثر کرتے ہیں۔ اگر میڈیا نے ان حقائق کی طرف سے چشم پوشی اختیار کر رکھی ہے تو وہ بے سبب نہیں ہے۔

یہ وہی امریکی معاشرہ ہے جو عورتوں کو با اختیار بنانے کی دعوت پوری دنیا کو دیتا رہا ہے، ان کے حقوق کی پامالی پر آنسو بہاتا رہا ہے۔ جس کی سرپرستی میں خواتین کی تنظیمیں اور تحریکیں چل رہی ہیں۔ لیکن وہی امریکہ اپنی اس انقلابی ایجاد سے عورتوں کے استحصال کا ایک نیا باب کھول چکا ہے۔ تصور کیجئے کہ جب سن رسیدہ افراد کو ان کی جنسی توانائی کا اچانک انکشاف ہوگا تو کتنی ہی ادھیڑ عمر عورتیں اپنے شوہروں سے چھوٹ جائیں گی، کتنی ہی جوان اور نابالغ لڑکیاں جنسی ہوس کا نشانہ بنیں گی۔ وہ امریکہ جہاں جنسی جرائم کا گراف پوری دنیا میں سب سے اوپر ہے، جنسی تسکین کا لالچ دے کر عوام کو گناہ کی کسی دلدل میں دھنسانا چاہتا ہے۔ اور جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسے دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ ضبط نفس اور برائی سے اجتناب جیسے الفاظ مغرب کی لغت سے خارج ہو چکے ہیں۔

اس کے مفسدات کا سرچشمہ دراصل وہ غیر شادی شدہ مرد اور نوجوان نسل ہوگی جو ویاگرا تک اپنی آزادانہ رسائی اور اس کے استعمال سے جسم میں پیدا ہونے والے جنسی ہیجان سے مضطرب ہو کر ناجائز طریقوں سے جنسی تسکین حاصل کریں گے۔ امریکہ سے شائع ہونے والے نیویارک ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق اس دوا کے استعمال کرنے والے سن رسیدہ طبقے میں طلاق کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ان کے گرم و سرد میں ساتھ نبھانے والی بیوی جب ان کے جذبات کے سیلاب میں ساتھ نہیں دے پاتی تو دو کوڑی سے بھی زیادہ بے قیمت ہو جاتی ہے اور بے گھر در کی ہو جاتی ہے۔ نیویارک میں ہی ایک جنسی امراض کے معالج نے اپنے ضعیف والد کو جب یہ گولیاں تجویز کیں تو اس پیر پر شباب نے پہلا کام یہ کیا کہ ضعیفہ کو رخصت کر دیا اور اس طرح گھر کے چراغ سے ہی گھر کو آگ لگ گئی۔ شاید اسی طرح کے حادثات کے اندیشے کے پیش نظر بعض عورتوں پر بھی اس گولی کا تجربہ اور ان سے اس کے نتائج کے متعلق مثبت رائے کا اظہار کرایا جا رہا ہے۔

جب سن رسیدہ افراد کو ان کی جنسی توانائی کا اچانک انکشاف ہوگا تو کتنی ہی ادھیڑ عمر عورتیں اپنے شوہروں سے چھوٹ جائیں گی

دیار غیر میں دعوت کا ایک انداز یہ بھی ہے

شمالی امریکہ میں مرکز دعوت اسلام کے نام سے ایک ادارہ ۱۹۹۳ء سے قائم ہے جس کا مقصد دیار مغرب میں مشرف بہ اسلام ہونے والے افراد کو مراسلت کے ذریعہ اسلام کی تعلیمات سے آراستہ کرنا ہے۔ اس ادارے کو روزانہ تشنگان علم کے چالیس خطوط موصول ہوتے ہیں جن کا لب لباب یہ ہوتا ہے کہ "میں اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا متمنی ہوں امید کہ اس موضوع پر ہماری رہنمائی فرماکر عنداللہ ماجور ہوں گے۔" نومسلمین کے اس جذبے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ میں اسلام ایک ایسی نادر نعمت ہے جس سے متعارف ہونے کے لیے ذرائع ابلاغ عوام کی کوئی مدد نہیں کرتے کیونکہ انہیں اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے سے فرصت نہیں اور شاید یہی سبب ہے کہ مذکورہ مرکز میں اس طرح کے خطوط کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے کہ ڈاک کے ذریعے ان تمام لوگوں تک گھر بیٹھے اسلامی تعلیمات کو پہنچائیں جو اس میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہوں۔ مرکز کے تیس سالہ ڈائرکٹر جناب علی غرام کے مطابق انھیں موصول ہونے والے خطوط میں بیشتر امریکہ، کناڈا اور دیگر ممالک میں اسلام قبول کرنے والوں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اپنے قیام سے اب تک مرکز نے ایسے سات لاکھ افراد کو اسلام سے متعلق بنیادی لٹریچر پر مشتمل کتابچے فراہم کیے ہیں۔ خود امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں میں مرکز نے اسلام پر خصوصی لکچروں اور لٹریچر کی تقسیم کا اہتمام کیا ہے۔ اس کوشش کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ مرکز سے وابستہ دینی رضاکاروں نے امریکی جیلوں میں ان افراد سے رابطہ قائم کیا ہے جو اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ اس دوران یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ فراہم کردہ لٹریچر کے مطالعے کے بعد متعلق شخص کی طرف سے یہ درخواست موصول ہوئی کہ براہ کرم یہ لٹریچر ہمارے فلاں دوست، بھائی، یا والد کو ارسال کردیا جائے تاکہ وہ بھی اسلام کی روشنی سے بہرہ ور ہوسکیں۔

عوامی رابطے کے ذریعے مرکز کی دعوتی سرگرمی کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ مالکوم ایکس کی بیوی کے انتقال پر جنازے میں ہزاروں سیاہ فام امریکیوں کا مجمع تھا۔ مرحوم مالکوم ایکس نے سیاہ فام اور سفید فام امریکیوں کے درمیان رنگ و نسل کے امتیازات ختم کرنے اور انھیں ایک دوسرے کے قریب ترلانے کے لیے اپنی زندگی وقت کردی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس پورے مجمع کے دل میں اپنے اس لیڈر کے لیے گہری عقیدت ہوگی۔ مرکز نے اس بات کے پیش نظر کہ مالکوم حلقہ اسلام میں داخل ہوچکے تھے ایک کتابچہ بعنوان "مالکوم ایکس نے اسلام کیوں قبول کیا" ہزاروں سیاہ امریکیوں میں تقسیم کیا۔

انفرادی رابطوں کے علاوہ بعض دیگر مذہبی تنظیمیں بھی اہل کتاب ہونے کے تعلق سے اسلام کے گہرے مطالعے میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ اس ضمن میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی کی ایک درخواست حال ہی میں مرکز کو ایک یونیٹیرین چرچ کی طرف سے موصول ہوا تھا اور یہ لٹریچر انھیں بین مذاہبی تفاہم کے لیے درکار تھا۔ غیر مسلمین کو اسلام سے متعارف کرانے کے لیے ضروری لٹریچر ابھی تک زیادہ تر انگریزی زبان میں ہے لیکن امریکہ میں آباد ہسپانوی بولنے والوں کی ایک خاصی تعداد اور اسلام کی طرف ان کا میلان حالیہ چند برسوں میں بڑھا ہے۔ اس لیے اس طبقے تک اسلام کے عام پیغام کو پہنچانے کے لیے ضرورت ہے کہ ہسپانوی زبان میں بھی ایسا ہی لٹریچر تیار کیا جائے اور مرکز اس کے لیے کوشاں بھی ہے۔ شائقین اسلام کو اب ارسال کردہ اشاعتی مواد اسلامی تعلیمات، علم اور حصول علم کے تئیں اسلام کا موقف، انجیل میں پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے، اسلام اور عبادات پر مشتمل ہیں اور ان سب کے ساتھ قرآن کریم احادیث نبوی کے مجموعے اور عربی زبان کی مبادیات سے روشناس کرنے کے لیے جدید طرز پر لکھی گئی کتابیں بھی ارسال کی جاتی رہی ہیں۔

سائنس اور ٹیکنولوجی کو صالح یا غیر صالح مقاصد کے حصول کیلیے استعمال میں لانا انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور اسکی ایک مثال خود یہ مرکز ہے جس نے اپنے دعوت اسلام کے پروگرام کے فروغ میں مراسلت پر اکتفا نہ کرتے ہوئے پورے دنیا کے نومسلمین سے رابطے کی کوشش میں انٹرنیٹ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس سے لوگوں کو اپنے سوالات کے جوابات فوراً مل جاتے ہیں۔ مرکز میں ایسا انتظام بھی ہے کہ امریکہ کے کسی بھی کونے سے آپ مرکز کو بغیر کوئی پیسہ ادا کیے بغیر ٹیلی فون کرکے اپنے استفسارات کا جواب حاصل کرسکتے ہیں اور چوبیس گھنٹے میں ہروقت ممکن ہے۔ یہ ایک اہم خدمت ہے کیونکہ دیار غیر میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا جہاں زیادہ تر مساجد اوقات نماز میں ہی کھلتی ہیں اور عالم دین سے ملاقات ان اوقات میں ہی ممکن ہے۔ مرکز کی یہ ساری جدوجہد ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ دوسروں تک اسلام کی دعوت کو پہنچانے پر ہی ہمارے کام کی انتہا نہیں ہوجاتی بلکہ اسکے بعد ضرورت باقی رہتی ہے۔ نومسلم فرد یا گروہ سے برابر رابطہ قائم رکھنے کی اور اس دھارے سے جوڑے رکھنے کی جس میں وہ تازہ بہ تازہ شامل ہوا ہے۔

کیا والدین کی طرف سے صدقہ کیا جاسکتا ہے؟

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال میرے والد صاحب نے آج سے ۳۰ سال پہلے ایک مسجد کے لیے کچھ جگہ وقف کی تھی، لیکن اب اس محلہ کے لوگ دوسری جگہ منتقل ہوگئے ہیں اور وہ مسجد ویران ہوگئی ہے، اس میں کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا۔ تو کیا میں اس موقوفہ آراضی کو کسی دوسری مسجد کے لیے وقف کرسکتا ہوں؟

جواب اس وقف کو دوسری مسجد کے لیے منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اس سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ کیا وہ مسجد بالکل ہی غیر آباد ہے یا وہاں کچھ لوگ باقی ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور کیا اہل محلہ کے وہاں لوٹنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ امکان پایا جاتا ہو کہ مسجد آباد ہوجائے گی اور وہاں نماز پڑھی جانے لگے گی تو پھر اس صورت میں موقوفہ زمین کو دوسری مسجد کے لیے منتقل نہیں کیا جاسکتا۔

سوال کیا کوئی شخص اپنے باحیات والدین کی جانب سے صدقہ کرسکتا ہے؟ اور کیا ان کی طرف سے قرآن بھی پڑھ سکتا ہے؟ اور اگر ایسا ہوسکتا ہو تو کیا صرف دل میں نیت کرلینا کافی ہوگا یا زبان سے بھی کہنا ضروری ہوگا۔

جواب والدین زندہ ہوں یا مردہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جاسکتا ہے اور اس سلسلہ میں دل سے نیت کرلینا کافی ہوگا، لیکن زبان سے بھی ان کا نام لیکر نیت کرلی تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ اسی طرح والدین، رشتہ داروں اور عام مسلمانوں کے لیے دعا و استغفار بھی مسنون صدقہ ہے۔ رہا یہ کہ قرآن پڑھنا اس کا ثواب والدین کو بخش دیا جائے تو اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں، اس لیے بہتر ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ اگر کوئی کبھی کرلیتا ہے تو کوئی غلط بات بھی نہ ہوگی کیونکہ علماء کی کثیر تعداد نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

سوال کیا کسی فاسق شخص کے لیے موت کے بعد دعا مغفرت کی جاسکتی ہے، جب کہ وہ نماز بھی نہ پڑھتا رہا ہو؟

جواب جو شخص بھی اسلام کو اپنا دین سمجھتا اور کلمہ شہادت کی گواہی دیتا ہے اور نماز روزہ وغیرہ دین کے ظاہری شعائر پر عمل کرتا ہے اس کے لیے دعاء مغفرت کی جاسکتی ہے بلکہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے مسلمان بھائی کی دعا کا زیادہ مستحق ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہوجائے اور اس کی مغفرت ہوجائے۔

سوال ہم لوگ امریکہ میں رہتے ہیں۔ میرے شوہر یہاں کام کرتے ہیں۔ میرے سامنے مسئلہ یہ ہے، حالانکہ میرے ساتھ ان کا رویہ بہت اچھا ہے لیکن وہ شراب پیتے اور ریشم کا کپڑا پہنتے ہیں۔ میں اگر ان کو گناہوں سے دور رہنے کی تلقین کرتی ہوں اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتی ہوں تو وہ ان پر کوئی توجہ نہیں دیتے، بلکہ اکثر میری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ تو کیا میں ان کے ساتھ رہوں یا جدائی اختیار کرلوں؟

جواب یہ ایک افسوس ناک حال ہے کہ بہت سے دین سے بے خبر لوگ ایسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ شہادتین کے اقرار اور کچھ اجتماعی آداب و اخلاق کی رعایت سے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو زمانہ قدیم میں بھی بہت سے مسلمان فرقوں کو گمراہ کرچکی ہے، جن کا کہنا تھا کہ ایمان کی گواہی کے بعد کوئی گناہ نقصان دہ نہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کا شوہر بھی اسی طرح کے کسی خیال سے متاثر ہو جس کی وجہ سے اس کے اسلام کے نام کو نجات کے لیے کافی سمجھا ہوا ہو۔ آپ کے لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس سے اس معاملہ پر کھل کر گفتگو کریں اور اس پر یہ واضح کردیں کہ آپ اس کی موجودہ حالت کے برقرار رہنے کی شکل میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتیں اور یہ کہ اگر وہ اپنی روش نہ بدلیں گے تو آپ ان سے علیحدگی کا مطالبہ بھی کرسکتی ہیں۔ فرض کرلیجیے کہ آپ ایسا کرنے پر مجبور ہوگئیں تو اس صورت میں یہ حدیث آپ کے سامنے رہے کہ "جس شخص نے اللہ کے لیے کسی چیز کو ترک کردیا اللہ اس کا بہترین بدلہ آپ کو دے گا۔"

سوال کیا شادی کارڈ پر بسم اللہ لکھنا جائز ہے؟ واضح رہے کہ ایسی چیزیں وقت مقررہ کے بعد سڑکوں پر یا کچرے کے ڈھیر پر پھینک دی جاتی ہیں۔

جواب شادی کارڈ اور ایسے ہی دوسرے خطوط وغیرہ میں بسم اللہ لکھنا مستحب ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو اہم کام بھی بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے وہ ادھورا رہ جاتا ہے" نیز اس لیے بھی کہ آپ ہمیشہ اپنے خطوط کی ابتدا بسم اللہ سے کیا کرتے تھے۔ جس کسی کے پاس ایسے کارڈ آئیں جن میں بسم اللہ لکھی ہو یا قرآن کی کوئی اور آیت ہو ان کو کوڑے کرکٹ پر پھینکنا جائز نہ ہوگا۔ یہی حکم رسائل و جرائد کا بھی ہے کہ ان کو گندہ کرنا، گندی جگہ پھینکنا، دسترخوان کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ گنہ گار ہوگا لیکن لکھنے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

ایسا لگتا ہے، میں میک اپ کے دلدل میں پھنس گئی ہوں

سوال میں تیس سال سے اوپر کی عمر کی صحت مند عورت ہوں۔ ادھر چند برسوں میں مجھے ایک نفسیاتی الجھن لاحق ہوگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ میری میک اپ کی عادت میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ میں لاکھ کوشش کرتی ہوں کہ اب میرے بچے بڑے ہورہے ہیں اس عادت کو ترک کروں لیکن اس میں کامیابی ہوتی نہیں ہے۔ بس رہ رہ کر یہی احساس ہوتا ہے کہ میک اپ میں میرے شوہر اور بچے مجھے دیکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں اور باہر کے لوگوں پر تو ظاہر ہے اس پر اچھا اثر پڑتا ہوگا۔ یہ بھی سوچتی ہوں کہ اچانک جب میرے شوہر اور بچے میری معمولی شکل و صورت میں مجھے دیکھیں گے تو وہ کیا کہیں گے اور اس خیال کیساتھ زیادہ میک اپ کرنے لگتی ہوں۔ آپ سے مشورے کی خواستگار ہوں کہ کوئی ایسی تدبیر بجھائیں جس سے یہ عادت میرا پیچھا ہمیشہ کیلئے چھوڑ دے۔

نفیسہ نسیم۔ جلگاؤں

جواب جب آپ خود اس کا اعتراف کررہی ہیں کہ یہ ایک نفسیاتی الجھن ہے جو آپ کو لاحق ہوگئی ہے تو اس پر قابو پانے میں آپ کے ارادے کو بڑا دخل رہے گا۔ میک اپ کی عادت کے جڑ پکڑ جانے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ نے خود کو پرکشش بنانے کا کوئی اور طریقہ سوچا ہی نہیں اور مصنوعی چیزوں کا سہارا لیا۔ میک اپ سے پہلے آپ اپنے چہرے کو غور سے دیکھیں تو آپ محسوس کریں گی کہ جگہ جگہ اس پر بھورے دھبے نمودار ہوگئے ہیں۔ اب انہیں چھپانے کے لیے مزید میک اپ کیا بلکہ اس کے لیپ کی ضرورت پیش آئے گی۔ ہر چند کہ اس دور میں کاسمیٹک انڈسٹری بہت ترقی کرگئی ہے لیکن اس کی مضرتوں کا کوئی حل نکل نہیں پایا ہے اور اسی لیے اب اس میدان میں کام کرنے والے جڑی بوٹیوں سے افزائش حسن کی اشیاء کی تیاری کی طرف تیزی سے متوجہ ہورہے ہیں۔ اگر آپ قدرتی اشیاء کا سہارا لیتیں تو آپ میک اپ کی حالت میں ہوں یا اس کے بغیر آپ کے چہرے کی کشش برقرار رہتی اور پھر آپ کو یہ اندیشہ نہ ستاتا کہ اچانک بغیر میک اپ کا چہرہ اپنے سامنے پاکر آپ کے شوہر اور بچوں پر کیا گزرے گی۔ یہ نقطہ واقعی خالصتاً نفسیاتی نوعیت کا ہے۔ اس کے لیے آپ اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اپنے شوہر اور بچوں سے کسی عورت کا تعلق ان خارجی مظاہر کی موجودگی یا عدم موجودگی کا محتاج نہیں رہتا۔ خدا نخواستہ اگر آپ کی رنگت بہت زیادہ سانولی ہوئی تو بھی ایک محبت کرنے والے شوہر کی نگاہ میں آپ کی قدر کم نہ ہوگی اور بچوں کے لیے باعث خوف نہ ہوگی۔

آپ کو اپنے شوہر کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ انھوں نے کبھی جنون کی حد تک میک اپ کے شوق پر کبھی آپ کو ٹوکا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس شوق پر خاصا وقت آپ صرف کرتی ہوں گی جس سے گھریلو ذمے داریاں متاثر ہوتی ہوں گی۔ حد درجہ میک اپ سے زندگی کا ایک شعبہ اور متاثر ہوتا ہے اور وہ ہے عبادت۔ میک اپ کا ایک اہم جزو ناخنوں کی آرائش ہے جس کے لیے طرح طرح کے نیل پالش رائج ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو کیفیت آپ نے بیان کی ہے اس کی روشنی میں یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ آپ پنج وقتہ نماز کا اہتمام کرتی ہوں گی۔ اس طرح سوچئے تو نہ جانے کتنی نمازیں اور زندگی کی حقیقی خوشیاں محض ایک میک اپ اور وہم کی تسکین کے لیے قربان کردیں۔

اب یہ عادت ایک دم سے تو جانے سے رہی جس طرح کوئی نشہ بتدریج کم کرتے کرتے چھوٹتا ہے اسی طرح آپ بھی میک اپ کی مقدار کو کم کرنی چاہئے اور مثبت انداز فکر اختیار کرتے ہوئے یہ سوچئے کہ اس طرح بچے ہوئے وقت کو آپ گھریلو انتظامات میں خرچ کرکے زیادہ خوشی محسوس کررہی ہیں۔ ایک صبح آپ دیکھیں گی کہ آپ کا دل میک اپ پر آمادہ نہیں ہورہا ہے بلکہ پورے دن کے کاموں پر نظر ڈال کر ان میں سے اہم ترین جو بھی ہوگا اس میں مصروف ہوجائیں گی۔

سوال میری شادی بہت کم عمری میں ہوگئی تھی۔ جب شادی کو ایک سال گذر گیا تو شوہر سے میرا جھگڑا شروع ہوگیا۔ اس کے بعد میں اپنی والدہ کے ساتھ آکر رہنے لگی۔ اس وقت میں تین ماہ کے حمل سے تھی۔ اس کے بعد میں حمل کی پوری مدت میں نے والدہ کے پاس رہ کر گذاری۔ اس دوران دونوں خاندانوں کے درمیان اختلافات گہرے ہوتے گئے۔ میرے شوہر اور بھائی ایک دوسرے کو مرنے مارنے کی دھمکیاں دینے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ میرے بھائی نے شوہر کی مجھ پر زیادتیوں کو دیکھتے ہوئے بڑی سختی سے کہہ دیا کہ اگر میں نے شوہر کے گھر لوٹنے کا ارادہ بھی کیا تو وہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ اس دوران میرے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جب میں آپریشن سے ولادت کے بعد ہوش میں آئی تو میری ماں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو اس کے باپ کے حوالے کردیا گیا ہے۔ میں نے اپنے بیٹے کا منہ بھی نہ دیکھا تھا۔ اس وقت سے میرا دل رہ رہ کر اس معصوم کے لیے تڑپ رہا ہے جسے بغیر کسی خطا کے اتنی بڑی سزا سے گذرنا پڑ رہا ہے کہ وہ ماں کی گود سے محروم ہے۔ میں اپنے بچے سے ملنے کے لیے بے قرار ہوں لیکن بھائی سے حد درجہ خائف بھی ہوں کہ نہ جانے وہ میرا کیا حشر کریں گے اور امی بھی کچھ کم غضبناک نہ ہوں گی۔ میری عقل نہیں کام کررہی ہے کہ کروں تو کیا کروں۔ براہ کرم کوئی راہ بتائیں۔

نائلہ۔ بدایوں

جواب یہ بات سوچنے کی ہے کہ شادی کے ایک سال کے اندر جو اختلافات آپ کے اور آپ کے شوہر کے درمیان پیدا ہوئے اس کا سبب آپ تھیں یا آپ کے گھر والے یا ان میں سے کوئی ایک فرد۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ کی شادی کم سنی میں ہوگئی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شادی کے سلسلے میں جو قول و قرار دونوں خاندانوں کے درمیان ہوا ہو اس کی خلاف ورزی فریقین میں سے کسی ایک طرف سے ہوئی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آپس میں لین دین یا جہیز کا معاملہ ہو یا یہ مسئلہ کہ لڑکی شروع میں شوہر کے گھر رہے گی یا میکے میں، عموماً یہ دو قضیے خاصی بحث کا موضوع بنتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ ان دونوں باتوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیوں کہ فی زمانہ رسم و رواج کے غلبے نے شرع کا

احترام ختم کردیا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بات وجہ اختلاف بنی تھی تو آپ کے گھر والوں کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ آپ شوہر کا گھر چھوڑ کر آئیں تو وہ اپنے یہاں خوش آمدید کہیں بلکہ اس کے برعکس انھیں کرنا یہ چاہئے تھا کہ آپ کو دوبارہ شوہر کے گھر واپس لے کر جائیں اور اس کے سامنے یہ ہدایت کریں کہ بھئی اب تم اپنے گھر کی ہوچکی ہو۔ اسے سنوارنا تمھارا کام ہے۔ اپنے اختلافات کو باہر نہ لاؤ۔ آپ کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ دوران حمل آپ کو یہ کوشش کرنی چاہئے تھی کہ اپنے شوہر کو بلوانے کی کوشش کرتیں۔ آپ کے شوہر کا گھر چھوڑنے کے عمل نے اختلاف کو اور ہوا دی ہے۔ اسپتال میں آپریشن کی وجہ سے بے ہوشی ختم ہونے کے بعد آپ کی والدہ کا یہ بتانا کہ بچے کو اس کے باپ کے حوالے کیا جاچکا ہے، یہ بتاتا ہے کہ آپ کی والدہ اور بھائی دونوں نے کسی بات کو وقار کا مسئلہ بناکر آپ کو شوہر سے جدا کردیا۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ آپ کی ماں کا دل اس بچے کو جدا کرتے ہوئے نہیں تڑپا۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کا شوہر بھی آپ کے بھائی کے غیض و غضب سے بہت زیادہ ڈرا اور سہما ہوا ہے۔ آپ ذرا سی ہمت کرکے اپنے شوہر کو اگر کہلوا بھیجتیں کہ وقتی ناراضگی کے تحت آپ نے میکے کا جو رخ کیا تھا اس پر پشیمان ہیں اور یہ کہ بھائی اور والدہ آپ دونوں کی راہ میں حائل ہورہے ہیں، تو اس کا دل ضرور صاف ہوتا لیکن ایسی کوئی کوشش کی نہیں گئی۔ اگر آپ کی والدہ اور بھائی کے علاوہ خاندان کے بعض دیگر افراد کے توسط سے آپ اور آپ کے شوہر میں ملاپ ہوجائے تو ایک خاندان اور ایک معصوم بچے کی زندگی کو تباہی سے بچایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد آپ کے گھر والے کچھ دن واویلا ضرور مچائیں گے لیکن زن و شوہر کے اتحاد و اتفاق کے سامنے ان کی ہر مخالفت دب جائے گی۔ آپ خلوص نیت سے یہ کوشش کر دیکھیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی اور اب جب کہ آپ کو اپنے نقصان کا احساس ہوچکا ہے آپ کم سنی کی سرحد سے نکل چکی ہیں۔ اس کا فائدہ بھی آپ کو پہنچے گا۔

سوال میں سولہ سال کی لڑکی ہوں اور اسکول کی گیارہویں کلاس میں پڑھتی ہوں۔ مجھ سے چھوٹا ایک بھائی ہے جو میرے ہی اسکول میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہے۔ میں پڑھنے لکھنے میں خاصی سنجیدہ ہوں۔ میرا نتیجہ ہمیشہ اچھا رہتا ہے۔ کلچرل سرگرمیوں میں بھی میری کارکردگی پر تعریف ہوتی ہے لیکن افسوس کہ میرا بھائی اس کا برعکس ہے۔ اکثر اس کی تعلیمی رپورٹ خراب آتی ہے اور شرارت پر بھی اسکول میں اسے ڈانٹ پڑتی ہے۔ ان باتوں سے میں بہت پریشان ہوتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اس کی وجہ سے مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ میرے ساتھ کی بعض لڑکیوں کے بھائی بھی اسی اسکول میں پڑھتے ہیں لیکن ان کی لاپرواہی اور کاہلی سے ان کی بہنیں کبھی پریشان نہیں دکھائی دیتیں۔ پھر یہ فکر مجھے ہی کیوں لگی رہتی ہے؟

جواب اللہ نے مرد اور عورت کو خاص فطرت پر پیدا کیا ہے۔ تنظیمی صلاحیت مرد کے مقابلے میں عورت میں زیادہ ہوتی ہے اسی لیے لڑکیوں کی بہ نسبت ابتداء میں لڑکیاں زیادہ سنجیدہ ہوتی ہیں۔ تاہم اس کے مدارج میں فرق ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی ہم جماعت لڑکیوں کے مقابلے میں آپ کو اپنے بھائی کی تعلیمی اور اخلاقی کیفیت کی طرف سے زیادہ فکر دامن گیر رہتی ہے۔

آپ کی اور آپ کے بھائی کی عمر میں تین درجات کے فرق کا تقاضا ہے کہ آپ اس کے خامیوں کا جائزہ لیں۔ ان خامیوں کا تعلق اس کی پڑھائی، ہوم ورک سے بھی ہوگا اور اخلاق و عادات اور صحت سے بھی۔ اگر آپ اسکول کے منتظمین اور اساتذہ کی شکایت کی یاد دلاکر صرف ڈانٹ ڈپٹ کریں گی تو اس کا مثبت نتیجہ نہیں نکلے گا کیونکہ یا تو وہ خوف زدہ ہوکر گھر سے بھاگا بھاگا رہے گا یا ڈھٹائی پر اتر آئے گا۔ بہت سی باتیں آپ سے چھپائے گا۔ آپ فکرمندی کے ساتھ ساتھ اس کی سرگرمیوں میں خود کو شریک کرکے دیکھیں۔ بعض ہلکے ہلکے کھیلوں میں اس کا ساتھ دیں جس سے اس میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ آپ اس کی ہمدرد ہیں اور وہ آپ سے اپنی پریشانیاں اور الجھنیں بیان کرسکتا ہے۔ اس طرح آپ کو موقع ملے گا کہ اسے آمادہ کریں کہ وہ کچھ وقت آپ کے سامنے بیٹھ کر اپنا ہوم ورک وغیرہ کرے تاکہ جہاں اس سے غلطیاں ہوں آپ درست کرسکیں۔ اگر یہ معمول بن گیا تو وہ اسکول میں اعتماد کے ساتھ اپنا ہوم ورک دکھائے گا۔ آپ یہ بھی کرسکتی ہیں کہ تمام مضامین کی ایک مشترک کاپی صرف گھر کے لیے مخصوص کردیں اور اس کے کیے ہوئے کام کی گریڈنگ خود کردیا کریں اسی طرح جیسے کلاس ٹیچر گڈ، ویری گڈ لکھتی ہیں۔ آپ Poor لکھنے کے بجائے A bit poor لکھ سکتی ہیں۔ یہ سب باتیں اس کی نفسیات کو چھونے والی ہیں۔ بعض نہیں بلکہ بیشتر بچے ایسے ہوتے ہیں جو والدین اور اپنے بڑے بھائی بہنوں سے حوصلہ افزائی کی زیادہ توقع رکھتے ہیں۔

سوال میری عمر بائیس سال ہے۔ میری منگنی ہوچکی ہے، شادی کچھ دن بعد ہونی ہے اس لیے کہ مجھ سے بڑے بھائی کی شادی بھی طے تمام ہے۔ وہ جب چھٹی گذارنے آئیں گے تو اس وقت دونوں کی شادی ہوگی۔ اس دوران میرے منگیتر نے بعض تحائف مجھے بھجوائے جو میں نے رکھ لیے لیکن ایک جھجک برابر دل میں آتی رہی کہ یہ کچھ اچھا نہیں ہورہا ہے۔ تحفے اس لیے رکھ لیے کہ پھر منگیتر کو شکایت ہوتی۔ آپ سے مشورہ درکار ہے کہ یہ تحفہ قبول کرکے میں نے غلط تو نہیں کیا؟

سعدیہ جبین۔ ویلور

جواب ابھی آپکی صرف منگنی ہوئی ہے اور بعض وجوہ سے شادی کو مؤخر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شادی آپکے والدین کے زیر اہتمام انجام پائے گی۔ محض منگنی کی بناء پر آپ اور آپ کے منگیتر کے درمیان ملاقات یا تحائف کے تبادلے کا کوئی شرعی جواز نہیں بنتا۔ آپ نے منگیتر کے بھجوائے ہوئے تحفے اس کی دل شکنی کے خیال سے رکھ لیے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے تاہم بہتر یہ ہوتا کہ یہ تحفے منگیتر کے گھر والوں کی طرف سے آپ کے گھر والوں کے پاس آتے اور پھر وہ آپ کو دیتے تو یہ اچھی بات ہوتی۔ تحفہ لانے والے شخص سے مناسب انداز میں آپ کہلوادیں کہ منگیتر صاحب تحفہ ضرور بھیجیں لیکن آپ کے گھر والوں کی معرفت تاکہ کوئی خرابی نہ پیدا ہوسکے اور لوگوں کو کوئی بدگمانی نہ ہو۔

مقروض ہوں، مکان بیچنا چاہتا ہوں

اگر آپ کسی الجھن میں ہیں یا کسی اہم فیصلے لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہوگیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

سوال

میں بہت سے لوگوں کا قرضدار ہوں اور مجموعی رقم کافی ہوچکی ہے اور جب سے میرا مکان بنا ہے اس میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ تنخواہ میری اتنی نہیں کہ آسانی سے بیوی۔ بچوں کا گذارہ ہوسکے کیونکہ اس کا ایک حصہ قرض کی ادائیگی کی قسط میں چلا جاتا ہے۔ میں نے کئی بار سوچا کہ اس گھر کو بیچ کر قرض ادا کردوں۔ لیکن ایسا کروں تو گھر سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا اور سوال یہ پیدا ہوگا کہ اہل و عیال کے سر چھپانے کے لیے کوئی ٹھکانہ رہ نہیں جائے گا اور وہی کرائے کا مکان تلاش کرنے کی نوبت پھر آجائے گی۔ ایک حل میری سمجھ میں ابھی یہ آیا ہے کہ کسی بینک سے اتنی رقم ادھار لے لوں جو مختلف افراد کا قرض چکانے کے لیے کافی ہو۔ اس طرح میں صرف ایک کا ہی مقروض رہوں گا اور تنخواہ سے تھوڑی تھوڑی رقم بالاقساط کٹوا تا رہوں گا۔ کیا بینک سے قرض لینا اور اسے قسطوں میں ادا کرنا جائز ہے۔

مسعود علی۔ سرسلی کلاں

جواب

مراسلہ نگار کا شمار ان افراد میں کیا جاسکتا ہے جو اپنے سر پر ایسے قرض کا بوجھ لاد لیتے ہیں جس کے وہ متحمل نہیں ہوسکتے۔ شادی بیاہ، تجارت، علاج، مکان کی تعمیر اور سواری وغیرہ جیسی ضروریات میں اگر وہ اصراف کی حد کو نہیں چھوتیں، قرض لیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ابوہریرہ سے منقول ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص لوگوں کا مال لیتا ہو اور اس کی ادائیگی کی نیت رکھتا ہو اللہ اس کی ادائیگی کا انتظام کردیتا ہے اور اگر لینے والے کی نیت اسے تلف کرنے کی ہے تو اللہ اسے تلف بھی کردیتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ انما الاعمال بالنیات انسان کی کوششوں کا اچھا یا برا نتیجہ اس کی نیت پر منحصر ہے۔ اس سلسلے میں ہم مراسلہ نگار کو مندرجہ ذیل مشورے دے سکتے ہیں۔

اول یہ کہ وہ اپنا بنا بنایا مکان فروخت کرنے کا ارادہ ترک کردیں کیونکہ اگر ایک بار ایسا ہوگیا تو کرایے کے مکان میں آمدنی کا ایک حصہ نکلتا رہے گا اور پھر مزید قرض لینے کی نوبت آجائے گی اور یہ شیطانی چکر کبھی ختم نہ ہوسکے گا۔ دوسرے یہ کہ کوئی بینک ان کو قرض اسی صورت میں دے گا جب قرض کی رقم پر وہ ان سے منافع یا سود کمائے۔ بینک کے قرض کی قسطیں اسی لیے بہت بھاری ہوجاتی ہیں کہ اس پر سود کی رقم بھی خاصی چڑھ جاتی ہے اور کوئی قسط چھوٹ جائے تو سود در سود لگ جاتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے سودی لین دین کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ اس میں پھنسے رہنے سے روزی میں برکت ختم ہوجاتی ہے۔ تیسرے انھیں چاہیے کہ کسی ایسے ادارے کی مدد حاصل کریں جو سودی لین دین سے پاک ہو۔ ایسے کاروباری ادارے مسلمانوں کے موجود ہیں جو اپنے اراکین کو ضمانتوں کی بنیاد پر آسان قسطوں پر قرض دیتے ہیں اسی طرح اراکین کی جو چھوٹی رقمیں ان کے کھاتوں میں جمع ہوتی ہیں وہ دیگر ضرورت مندوں کے کام آتی ہیں۔ اس طرح امداد باہمی کے نمونے پر یہ کام آگے بڑھتا رہتا ہے اور سب کے مسئلے حل ہوتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی سود دیتا ہے نہ لیتا ہے۔ اس طرح کی مالی مشکلات میں گھرے ہوئے مومن کو چاہیے کہ شرعی طریقوں سے ان مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرے اور شیطانی وسوسوں کے نرغے میں نہ آئے جو ہمہ وقت اسے کسی نہ کسی ایسی دنیاوی ضرورت کا احساس دلاتے رہتے ہیں کہ ان کی تکمیل کے بغیر اس کی زندگی ادھوری رہے گی۔ لیکن انسان کو چاہیے کہ اپنے ایمان اور اللہ کے احکام کی روشنی میں اس ضرورت کو پرکھے اور تولے اور دیکھے کہ اس کی تکمیل کون سا ایسا فائدہ حاصل ہونے والا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے یعنی بنیادی ضرورت ہے یا سہولت اور آسائش اس طرح کی زمرہ بندی اس ضرورت پر خرچ کرنے یا اس خرچ کو ٹال دینے کے فیصلے میں معاون ثابت ہوگی۔

سوال

میرے پانچ بیٹے ہیں اور ان سب کے بعد ایک بیٹی ہمارے یہاں پیدا ہوئی جو بد قسمتی سے اپاہج ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا صدمہ تھا جو ابتداء میں میں اور میری بیوی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ شکم مادر ہی میں بعض پیچیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں جس کی بناء پر اطباء نے آپریشن کرکے بچی کو باہر نکالا اور بیوی بھی کسی طرح بچ گئی۔ اس کے بعد سے بیوی صحت فکر اور غم میں بالکل خراب ہوگئی اور ہزار سمجھانے پر وہ یہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ قدرت کو یہی منظور تھا۔ اس سوچ نے اسے بیٹی اور دوسرے بچوں کی طرف سے بیگانہ کردیا ہے۔ میرے سامنے یہ مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے کہ بیمار بیوی، مفلوج بیٹی کی

باقی صفحہ ۳۵ پر

دستاویزات فلسطین

عرب۔ اسرائیلی کشمکش پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے ایک بنیادی وسیلہ تحقیق

تحریر: عائشہ خاں

کتاب: **Palestine Documents**
مرتب: ڈاکٹر ظفرالاسلام خان صفحات: 894 قیمت: 850 روپے
ناشر: فاروس میڈیا اینڈ پبلشنگ پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی

مسئلہ فلسطین مشرق وسطی کے تمام مسائل اور عرب۔ اسرائیلی کشمکش میں سرفہرست قضیہ ہے۔ اس صدی کی دوسری دہائی کے شروع ہی سے یعنی جب سے ایک عرب اکثریتی ملک کی یہودی کاری شروع ہوئی تھی اسی وقت سے یہ مسئلہ دنیا بھر کے لیے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ فلسطین پر ۱۹۱۸ء میں قبضہ کرنے کے بعد فوراً بعد برطانوی فوجی قوت اور یہودی مالیاتی طاقت نے لیگ آف نیشنز کے "مینڈیٹ" کا سہارا لے کر اعلان بالفور کو عملی جامہ پہنانے کی جدوجہد شروع کر دی تھی تاکہ ساری دنیا سے آنے والے ایک مخصوص مذہبی فرقہ کے لوگوں کو ایک دوسری قوم کا ملک دے دیا جائے۔

۸۹۴ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب مسئلہ فلسطین سے متعلق صہیونی پروگرام کی ابتداء سے اوسلو معاہدہ تک کی سبھی دستاویزات کو جمع کرنے کی انگریزی زبان میں پہلی اور منفرد کوشش ہے۔ نیز اس میں اسرائیل اور اردن کے درمیان ہونے والے جدید ترین معاہدے بھی شامل ہیں۔ ان دستاویزات کو برطانوی حکومت کے سرکاری کاغذات، انکوائری کمیشنوں کی رپورٹوں، اقوام متحدہ، عرب لیگ اور تنظیم آزادی فلسطین وغیرہ کی قراردادوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ نیز فلسطینی چارٹر کے جن بنود پر اسرائیل کو اعتراض ہے ان کی تحدید بھی کر دی گئی ہے۔

اکثر دستاویزات کے شروع اور اسی طرح سے حاشیہ میں توضیحی کلمات اور مبہم امور کی شروح ان دستاویزات کو ان کے صحیح تناظر میں رکھنے اور ان کے پس منظر کو اجاگر کرنے میں کافی معاون ثابت ہوئی ہیں۔ مزید برآں اس کتاب میں ۲۴ ایسے نقشے بھی شامل کئے گئے ہیں جو مسئلہ فلسطین کی تاریخ کے مختلف اطوار کو واضح کرتے ہیں۔ فلسطین سے متعلق حقائق اور ارقام بھی کتاب کے شروع میں دے دئے گئے ہیں۔ اسی طرح کتاب کی تمہید میں مسئلہ فلسطین کے تاریخی پس منظر کو واضح اور آسان انداز میں شگفتہ بیانی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ فاضل مرتب نے ایسی بہت سی دستاویزات کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے جو صرف عربی میں دستیاب ہیں۔

زیر بحث کتاب کو ایک مشہور محقق ڈاکٹر ظفرالاسلام خان نے مرتب کیا ہے جو گذشتہ تین دہائیوں سے فلسطینی ریسرچ سے گہری وابستگی رکھنے والے محقق تسلیم کئے جاتے ہیں۔ مسئلہ فلسطین سے متعلق ان کی خدمات میں قاہرہ یونیورسٹی ۱۹۷۸ء میں "المقاومة العربية فی فلسطین" (فلسطین میں عرب تحریک مزاحمت) کے موضوع پر تیار کیا گیا ایم۔ اے کا تحقیقی مقالہ شامل ہے۔ نیز انہوں نے کتاب "التلمود" (بیروت ۱۹۷۱ء) اور "تاریخ فلسطین القدیم" (بیروت ۱۹۷۳ء) بھی مسئلہ فلسطین سے متعلق شائع کی ہے۔ فلسطین کے سلسلے میں انکی جدید ترین خدمات میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے ۱۹۹۳ء میں اپنی زیر ادارت شائع ہونیوالے رسالہ Muslim & Arab Perspectives کا مسئلہ فلسطین کے بارے میں تین اجزاء پر مشتمل خاص شمارہ شائع کیا۔ اس کے علاوہ موصوف کے زیر ادارت ایک اور رسالہ (مجلة التاريخ الاسلامی) بھی شائع ہوتا ہے۔ یہ دونوں رسالے بین الاقوامی سطح پر معروف ہیں اور مطالعات اسلامی کے میدان میں اپنا مخصوص اعتبار رکھتے ہیں اور انہیں کے زیر نگرانی چلنے والے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عرب اسٹڈیز سے شائع ہوتے ہیں۔ اسی انسٹی ٹیوٹ نے پچھلے دنوں ہندوستانی دارالسلطنت میں مسئلہ فلسطین کے بارے میں ایک عظیم الشان دو روزہ بین الاقوامی اکیڈمک سیمینار بھی منعقد کیا ہے۔

یہ کتاب فلسطینی مطالعات میں ایک اہم اضافہ ہے اور مشرق وسطی کے مسائل پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے ایک بنیادی وسیلہ تحقیق بھی۔ کسی بھی لائبریری کا اس سے خالی ہونا مناسب نہیں ہے۔ ▭

Membership Form
for a proposed

Muslim Political Party

Form No.:---------
Date:----------------

ملک میں عنقریب ایک مسلم سیاسی پارٹی تشکیل دی جانے والی ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی صف بندی کے ذریعہ اس ملک میں اللہ کا کلمہ بلند کرے گی۔ مسلمانوں کی موجودہ سیاسی بے سمتی کا خاتمہ ہوگا اور پچاس سالہ سیاسی غلامی کی زنجیریں کٹ جائیں گی۔ اگر آپ اس پارٹی کے مقصد سے اتفاق کرتے ہوں اور اس ملک میں منجمد اسلامی ایجنڈے کو دوبارہ متحرک کرنا چاہتے ہوں تو یہ بتائیے آپ اس سلسلے میں کیا کرسکتے ہیں۔ آج ہی اس فارم کو پر کیجئے اور اللہ کا نام لے کر ہمیں ارسال کردیجئے۔

Passport Size Photo

Name: ______________________ Father's Name: ______________________ Age: ______

Educational Qualifications: ____

Permanent Address: ______________________ Address for Correspondence: ______________________

______________________________________ ______________________________________

______________________________________ ______________________________________

Phone: ______________ Phone Off.: ______________ Res.: ______________

Health Condition: ❑ Excellent ❑ Good ❑ Poor

Languages Known: ❑ English ❑ Urdu ❑ Hindi ❑ Other

عہد نامہ

میں اس مشن کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کردینے کا عزم کرتا ہوں۔

خصوصیت کے ساتھ میں ہر روز ❑ گھنٹہ اس مشن میں کو دوں گا۔ میری خدمت درج ذیل کاموں کے لئے پیش ہے:

اطراف میں سفر ❑ علاقے میں چھوٹے چھوٹے پروگرام منعقد کرنا ❑ لیف لٹ تقسیم کرنا اور اشتہار لگانا ❑

علاقائی زبان میں مسلم پارٹی کے لٹریچر کا ترجمہ کرنا ❑ مقامی طور پر لٹریچر کو طبع کرانا ❑ اس مشن کے مالی تعاون کیلئے اہل ثروت کو آمادہ کرنا ❑

ملی ٹائمز کو بڑے پیمانے پر لوگوں تک پہونچانا ❑ عوامی رابطے کا پروگرام منعقد کرنا یا کوئی اور خدمت۔ (تفصیل لکھئے)

____

____

____

Milli Parliament

Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Tel: +91-11-6827018, 6926296 Fax: +91-11-6946686
E-mail: militime@del3.vsnl. net. in

اس فارم کی فوٹو کاپی کرالیں اور اسے پر کرکے اپنی تصویر کے ساتھ ہمیں ارسال کیجئے

August, 1998
Vol. V No. 5

The Milli Times International

Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-25 Fax: +91-11-6946686
Tel.: +91-11-6827018, 6926246 E mail: militime@del3.vsnl.net.in

Rs. 8/-
RNI 67337/94

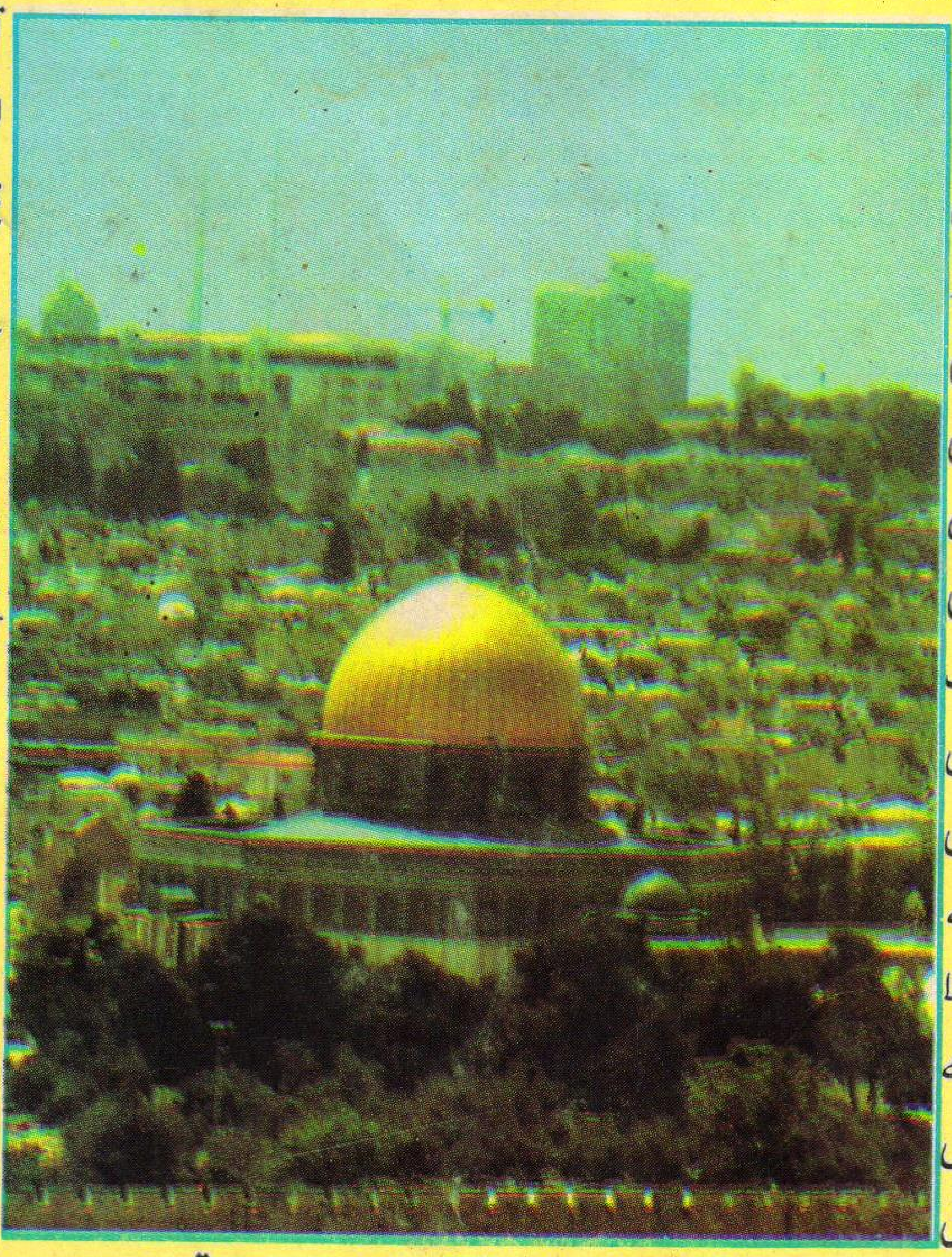
اسے نہ جانے کیا سوجھی اس نے بالآخر اردن جانے کا تہیہ کر لیا۔ سوچا کانفرنس تو ایک بہانہ ہے، ارض فلسطین کی قربت میں اسے بہت کچھ سمجھنے اور سمجھانے کا موقع ملے گا اور گذشتہ چند برسوں میں معاہدہ امن کے حوالے سے خطے میں جو اہم تبدیلیاں در آئی ہیں وہ بنفس نفیس ان کا مطالعہ کر سکے گا۔ بارودی سرنگوں پر منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کرنے پر اس کا دل ٹکتا نہ تھا گو کہ اس نے بارودی سرنگوں کی مخالفین کی نیک نامی کا بڑا شہرہ سنا تھا۔ کوئی دو برس پہلے اسی کانفرنس کی سرپرستی میں ویلز کی شہزادی ڈائنا بہت پیش پیش تھی۔ اس نے سوچا جب اتنے بہت سارے لوگ امن کے قیام میں دنیا کو بارودی سرنگوں سے نجات دلانے کے لئے میدان میں نکل آئے ہیں تو وہ پس و پیش کا مظاہرہ کیوں کرے؟

بظاہر یہ ایک بھلا خیال معلوم ہوتا تھا لیکن وہ جوں جوں مسئلے کی گہرائی میں اترتا گیا اسے ایسا لگا کہ دنیا کو بارودی سرنگوں سے پاک کرانے کا منصوبہ اس کے ملی مفاد سے براہ راست ٹکراتا ہے۔ اس نے سوچا اگر شام، لبنان اور اردن کی سرحدوں سے بارودی سرنگیں ہٹا دی گئیں اور اگر مصر میں سینائی کے علاقے کو سرنگوں سے پاک کر دیا گیا تو اسرائیل کی پھیلتی ہوئی سرحد کو روکنا مشکل ہو جائے گا۔ بارودی سرنگ بنیادی طور پر کمزور قوموں کا ہتھیار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تائیوان نے چینی توسیع پسندی سے بچنے کے لئے سرحدوں پر کئی ملین بارودی سرنگیں لگا رکھی ہیں۔ ویت نام میں جو لوگ امریکہ کی تربیت یافتہ فوج سے ٹکر لے رہے تھے، انہوں نے بارودی سرنگوں کا مقامی ایڈیشن تیار کر رکھا تھا۔ بانس کی کھپچیوں کو پیشاب میں ڈبو کر زہر آلود بناتے اور اسے زیر زمین گہرے گھڈ میں اس طرح بچھاتے کہ گرنے والا اس کی زد سے محفوظ نہ رہے۔ اوپر سے گھاس رکھ کر گڈھے کو ڈھک دیا جاتا اور جب کوئی فوجی مسطح زمین سمجھ کر اس گڈھے میں جا رہتا تو اس کی موت یقینی ہو جاتی۔ مشرق وسطی میں چہار طرف بارودی سرنگیں دفن ہیں۔ بوسنیا اور افغانستان میں جا بجا دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان دھماکوں میں دشمن اور دوست ہر ایک کا نقصان ہو سکتا ہے اور عام بھولے بھالے لوگ بھی اس کا نشانہ بنتے ہیں، لیکن جب تک ان خطروں کو دور نہ کر لیا جائے جس کی وجہ سے یہ سرنگیں بچھائی جاتی ہیں تب تک یہ مصنوعی حل کارگر نہ ہوگا۔

اگر آج اسلام کی مرکزی سرزمین بارودی سرنگوں کی زد میں ہے اور اگر مسلمان خود اپنی سرزمین میں ذلیل اور بے بس ہیں تو اس مسئلے کو نہ تو کوئی شخص حل کر سکتا ہے اور نہ ہی مسلمانوں کی انجمنوں میں یہ کس بل ہے کہ وہ امت کی محرومی کا ازالہ کر سکیں۔ دارالحکومت عمان کے عین قلب میں اسرائیلی سفارت خانے کی پرشکوہ عمارت دنیا کے ڈیڑھ بلین مسلمانوں کی حمیت کو منہ چڑھا رہی ہے۔ مختلف خطوں کے مسلمان خود اپنی سرزمین میں داخلے کیلئے حکومت اسرائیل سے اجازت کی بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ اپنی ہی سرزمین پر وہ اتنے بے بس ہیں کہ وہ اپنے پیغمبروں کے آثار کی زیارت کرنے اور بیت المقدس میں دو رکعت نماز کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتے۔ نہ تو اردن کی حکومت اسرائیل سے اپنے خوشگوار تعلقات کی بنیاد پر مسلمانوں کو یہ حق دلا سکتی ہے اور نہ ہی فلسطین کے یاسر عرفات کو یہ اختیار ہے کہ وہ ارض فلسطین میں اپنی مرضی سے کوئی کام کر سکیں۔ فلسطینی اتھارٹی کی حیثیت اسرائیل کے ایک ماتحت ادارے سے زیادہ نہیں۔

وہ سوچتا رہا آخر امت میں اتنی بہت ساری اتھارٹی کہاں سے وجود میں آ گئی اور یہ کہ ان اتھارٹیز کی شرعی حیثیت کیا ہے جو فی الواقع مجبوری اور بے بسی کا شاہکار ہوں، پچاس سالہ جدوجہد کے بعد اگر آج فلسطین کی جنگ ہاری ہوئی معلوم ہوتی ہے اور تحریک فلسطین کے قائدین خود کو تھکا تھکا محسوس کرتے ہیں تو کیا ان حوصلہ شکست لوگوں کو یہ اختیار دیا جا سکتا ہے کہ وہ پوری امت سے ہتھیار ڈال دینے کا مطالبہ کریں۔

کانفرنس میں ایک شیعہ عالم نے جب اس دکھتی رگ پر انگلی رکھنے کی کوشش کی کہ آخر امت کی زبردست قربانیاں اور زبردست جدوجہد کامیابی کے مرحلے میں پہنچتے پہنچتے کیوں دم توڑ دیتی ہے؟ جواب میں اس نے جو کچھ کہا شیعہ عالم کو ایسا لگا جیسے یہ نکتہ اس کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ لوگ مسئلے کی دم پکڑنے کے بجائے خود مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہو۔ اب بھی سوچتا ہے کہ آج فلسطین غاصبوں کے ہاتھوں میں ہے، تو اس کی آزادی ہما شما کا دردسر نہیں۔ بنیادی طور پر یہ خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کو اس کا قبلہ اول واپس دلائے اور اس راہ میں امت سے ہر ممکنہ قربانیوں کا مطالبہ کرے۔ امت کے وقار کی کوئی بھی جنگ خلیفہ وقت اور امام عادل کی قیادت میں ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔ صرف خلیفہ کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ امت کے مفاد میں غیر قوموں سے معاہدہ کرے، جسے جب چاہے کسی منصب پر فائز کرے اور جسے جب چاہے معزول کر دے۔ محض قربانیاں کامیابی کی ضمانت نہیں بن سکتیں۔ ہم نے افغانستان میں چودہ لاکھ مجاہدین کی قربانی سے وقت کی سب سے بڑی فوجی قوت کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیا لیکن چونکہ اس مہم کی قیادت امام عادل سے خالی تھی اس لئے کامیابی تک پہنچتے پہنچتے اقتدار کے بہت سے دعویدار نکل آئے، ہماری نیا میں اپنوں میں الجھ کر رہ گئیں۔ فلسطین میں جذبہ جہاد کے آگے بند باندھنے کے لئے خود ابنائے فلسطین کو لے آیا گیا۔ کوئی امن کی بات کرتا ہے تو کوئی جذبہ جہاد سے سرشار ہے، بھانت بھانت کی آوازیں ہیں، ایسے میں قبلہ اول کیسے آزاد ہو سکتا ہے۔



شرق اردن میں مسلمانوں کی بے بسی اور اہل ایمان کی تذلیل دیکھ کر اسے بار بار یہ خیال آیا کہ اگر آج دنیا بھر میں مسلمان ذلیل و بے بس ہیں، اگر افغانستان اور الجزائر کی خانہ جنگی مسلمانوں کو کمزور کئے دیتی ہے، اگر بوسنیا کے بعد کوسووو میں مسلم خواتین کی عصمت کی پامالی کے منصوبے تشکیل پا رہے ہیں اور اگر ارض فلسطین میں ہمارے مقدسات کو خطرہ بڑھتا جا رہا ہے تو اتنے بڑے مسائل کا حل کسی فرد، انجمن یا حکومت کے بس کی بات نہیں۔ یہ سب کچھ ڈیڑھ بلین مسلمانوں کا مشترکہ معاملہ ہے جسکی نگہبانی مسلمانوں کا خلیفہ ہی انجام دے سکتا ہے لہذا کرنے کا بنیادی کام تو یہ ہے کہ مختلف محاذ پر اپنی قوت ضایع کرنے کے بجائے مسلمانوں کے خلیفہ کی تلاش کا کام شروع کر دیا جائے تاکہ وہ ڈیڑھ بلین مسلمانوں کی قوت کو غلبہ اسلام کے عالمی منصوبے کیلئے استعمال میں لا سکے۔